اِتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ

الحمد للہ

کہ

رسالہ تقلید شخصی اور سلفی

جسمیں مسئلہ تقلید (ہر دو نوع) کی تحقیق اور کتاب
"حقیقۃ الفقہ" مصنفہ مولنا انوار اللہ مرحوم حیدر آبادی
اور رسالہ "الاقتصاد" مصنفہ مولنا اشرف علی صاحب
تھانوی کا جواب بھی ہے

مؤلفہ

مولنا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری

(مولوی فاضل) مصنف تفسیر ثنائی و تفسیر القرآن وغیرہ

برقی مطبع روز بازار ہال بازار امرتسر میں باہتمام شیخ عبد العزیز صاحب پرنٹر
۲۲ء مطابق ۱۳۴۱ھ طبع ہوا

هفتہ وار اخبار

اہل حدیث

یہہ اخبار کیا ہے؛ مجمع البحرین ہے یعنی دین و دنیا کا مجموعہ ۱۸×۲۲ کے ۱۶- بڑے صفحوں پر ہفتہ وار ہر جمعہ کو امرتسر سے شائع ہوتا ہی جسمیں ملکی- مذہبی- اخلاقی اور تاریخی مضامین چھپنے کے علاوہ متفرق سوال و جواب، دینی فتاوٰی اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات وغیرہ درج ہوتے ہیں. اور ایکدو صفحوں پر دنیا کی چیدہ چیدہ خبریں بھی درج ہوتی ہیں. غرض یہ اخبار توحید و سنت کا حامی- شرک و بدعت کا ماحی. مخالفین کے سامنے ڈہال کا کام دینے والا اور دنیا بھر کی چیدہ چیدہ خبریں بتانیوالا. قیمت سالانہ پانچروپیہ (۵) نمونہ کا پرچہ ۲/ کے ٹکٹ آلنے پر بھیجا جاتا ہے-

المشتہر: مینیجر اخبار اہل حدیث امرتسر (پنجاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ

پھلے مجھے دیکھیے!

مسئلہ تقلید بہت دیر سے ہندوستان میں متنجیہ رہا ہے ہر فریق (حامی و نافی) نے مقدور بھر اس پر بحث کی ہے کسی نے نقلی حوالجات (آیات واحادیث) سے کسی نے عقلی دلائل (معقول او ر اصول) سے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔ خاکسار نے بھی اس مسئلہ کے متعلق اپنے ناقص علم کے مطابق کئی ایک رسالے لکھے جو ملک میں شائع ہیں اور اہلعلم کی نگاہ میں مقبول۔ الحمد للہ لیکن ان رسائل میں زیادہ تر زور استدلال پر دیا گیا۔ اس رسالہ میں واقعات کا اظہار ہی استدلال علمیہ میں غلطی ممکن ہے اونکا جواب بھی ممکن۔ لیکن واقعات کے اظہار میں غلطی بعید اور جواب تو اس سے بھی بعید تر۔ اسلئے امید ہے اہلعلم و اہل انصاف اس رسالہ کو بغور ملاحظہ کرکے مصنف کی قدر افزائی کرینگے۔

اظہارِ امرِ واقعی

یہ بات ظاہر کرنیکی ضرورت نہیں کہ مذہبی مباحثات میں جو سب وشتم (گالی گلوچ) اور توہین وتذلیل ہوتی ہے علماء کی بدنامی کا باعث اور خیالات کی اشاعت میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے اسلئے علماء کرام (خواہ کسی گروہ کے ہوں اُن) کا فرض ہے کہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں اس قسم کی تصنیفات اور مصنفوں پر نفرت کا اظہار کیا کریں اور ایسی تصنیفات (خواہ وہ خیالات کی حیثیت سے انکی تائید میں ہوں) اُن کو پسند نہ کیا کریں تاکہ یہ بدرسم بند یا کم سے کم، کم ہو جائے۔ واللہ الموفق۔

خلاصہ رسالہ ہذا

مسئلہ تقلید کی تعریف علماء سلف میں کوئی عالم کسی عالم کا مقلد نہ تھا بلکہ ہر ایک عالم اپنے علم کے مطابق عمل کرتا تھا امام ابوحنیفہ صاحب کے شاگرد بھی خود امام ممدوح کے مقلد نہ تھے فروع اور اصول دونوں میں اپنی فہم کے مطابق ان سے اختلاف رائے رکھتے تھے لہذا کسی عالم یا جاہل پر کسی دوسرے عالم یا مجتہد یا محدث کی تقلید فرض و واجب نہیں بلکہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پابندی فرض ہے۔ اللہ اعلم۔

خاکسار ابو الوفاء ثناء اللہ (مولوی فاضل) امرتسری	طبع اول	ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ جنوری ۱۹۲۰ء
	طبع دوم	جمادی الاولی ۱۳۴۱ ہجری جنوری ۱۹۲۳ء

(نوٹ) [illegible] صاحب رسالہ [illegible] خاکسار کو اطلاع [illegible] (مصنف)

تقلید کی تعریف توضیح اور تمثیل وغیرہ

ہر علم میں منتہاء بحث اور مقطع سوال کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ جہاں پہونچکر سوال ختم ہو جاتا ہے علوم منقولہ (صرف ونحو) میں ان فنون کے ائمہ (سیبویہ۔ خلیل وغیرہ) کے اقوال منتہائے بحث ہیں اور علوم عقلیہ میں وہ اصول جنکو ان فنون کے بانیان نے بدیہی یا مبرہن کر کے تسلیم کر رکھا ہے۔ مثلاً اہل منطق کے نزدیک اجتماع ضدین یا ارتفاع نقیضین محال ہے۔ جب کوئی بحث اس حد تک پہونچیگی تو سمجھا جائیگا کہ اب ختم ہوگئی۔ کیا شرعی احکام میں بھی منتہاء بحث کوئی ہے؟ اسکا جواب یہی ہے کہ ضرور ہے۔ وہ کیا ہے؟ خدا اور رسول کا ارشاد۔ اسی منتہاء بحث کو بتلانے کے لئے ارشاد ہے:۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (پ ۵ ع ۵)	اگر تم مسلمانوں کا کسی امر میں اختلاف ہو تو اللہ اور رسولؐ کی طرف پہونچاؤ۔ اگر تم ایماندار ہو تو ایسا ہی کرو"

یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ شرعی احکام میں منتہی الکلام اللہ اور رسولؐ کا حکم ہے دگر ہیچ۔

ایک دلچسپ حکایت

عرصہ چندیوم کا ہوتا ہے خاکسار نے ایک گشتی چھٹی علماء اعلام حنفیہ کرام کی خدمت میں بھیجی۔ جس سے میری غرض یہ تھی کہ شرعیات میں منتہاء بحث کی تعیین ہو جائے تو پھر بحث مفید اور منتج ہو سکتی ہے؟ وہ چھٹی مع جوابات کے درج ذیل ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب محترم مولانا بازاد عنایتکم السلام علیکم۔ جس دلی اخلاص سے یہ عریضہ لکھا ہے اُسی اخلاص سے جواب کی توقع ہے۔ مدارس عربیہ دیوبند۔

سہارنپور وغیرہ سے ملک میں جو ترقی اور انقلاب ہؤا ہے۔ وہ کسی سے مخفی نہیں۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ ان مدارس کے وجود سے پہلے ہندوستان کے کثیر حصے میں آبائی رسوم اور بدعات پر سخت انجماد تھا۔ جو حدیث کی حرارت سے نرم ہو کر پگھل گیا۔ الحمد للہ۔ مگر ابھی ایک مرحلہ قابل غور ہے جس کے طے کرانے کے لئے یہ عریضہ ارسال خدمت ہے۔

وہ یہ ہے کہ مدارس عربیہ دیوبند وغیرہ میں علوم آلیہ خصوصاً علم اصول۔ فقہ۔ نہایت محنت اور اعتنا کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں۔ علم فقہ اور حدیث پر خاص توجہ ہے۔ ہاں سب علوم کو ملحوظ رکھکر روایات فقہیہ منقولہ عن الائمہ کی تنقید آیات اور احادیث مرفوعہ سے کرنے کے ہم مکلف ہیں یا نہیں۔ یعنی بحیثیت علمی ہمارا فرض ہے یا نہیں کہ ہم اقوال ائمہ کی تنقید کریں یا ان اقوال کو بغیر تنقید اور تحقیق کے قبول کر لیا کریں۔ جسکو دوسرے لفظوں میں یوں معروض کر سکتا ہوں کہ ہر علم میں کوئی نہ کوئی امر منتہائی بحث ہوتا ہے۔ شرعیات میں منتہائی بحث بالاتفاق قرآن و حدیث ہیں۔ اقوال مجتہدین کو بھی اسیطرح سمجھنا فرض ہے یا کم؟ یہ ایک اصولی مسئلہ ہے جو جناب کے غور اور بعدِ غور جواب کے لئے ارسالِ خدمت ہے۔ مجھے کامل امید ہے کہ آپ اپنے خدا داد علم سے جواب دیکر مشکور فرما دینگے۔

خاکسار ابو الوفاء ثناء اللہ کفاہ اللہ امرت سری"

اس سوال کی تشریح یوں ہے کہ ہم مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم (جو صحیح طرق سے پہونچ چکا ہو) سنکر اوس پر چون وچرا کرنا حرام ہے۔ نہ اوس پر سوال ہو سکتا ہے۔ نہ اسکی دلیل تلاش ہو سکتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ از روئے روائت اسکی تحقیق کی جائے کہ یہ حکم صحیح روائت میں آیا ہے یا ضعیف میں۔ مگر بعد ثبوت صحت کے یہ سوال بے جا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم کس دلیل سے دیا کیونکہ رسول ؐ کا منصب رسالت خود اُس کے حکم کی دلیل ہے۔ اسی کے حکم میں ہے ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے اقوال کو بھی یہ مرتبہ حاصل ہے کہ انکی دلیل طلب نہ کی جائے یا اونکی دلیل قرآن و حدیث سے تلاش کرنیکی ضرورت ہے؟ پہلی

صورت تو کوئی صاحب علم نہیں کہہ سکتا، ورنہ ائمہ کے حق میں درجہ نبوت کا اعتقاد کرنا پڑیگا۔ اس لئے دوسری صورت ہی اختیار کرنی ہوگی۔ الحمد للہ حضرات مجیبین نے بھی دوسری صورت ہی اختیار کی ہے چنانچہ اون کے جوابات درج ذیل ہیں :۔

جناب مولانا محمد انور شاہ صاحب مدرس اول مدرسہ دیوبند تحریر فرماتے ہیں :۔

"جناب مکرم محترم دام فضلہ، ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حسب ارشاد نیازمندانہ عرض ہے، کہ منتہائے بحث شرعیات میں فقط قرآن عزیز اور حدیث شریف ہے۔ اجماع اور قیاس قرآن عزیز اور حدیث ہی کی طرف راجع ہیں کیونکہ اجماع کا کوئی داعی ہونا ضروری ہے اور قیاس کا کوئی اصل۔ پھر اجماع سے مزید قوت حاصل ہوتی ہے۔ علی اختلاف مراتبہ اور قیاس جلی اور خفی کی طرف منقسم ہوتا ہے۔ جلی کا شاید امام داؤد ظاہری نے بھی انکار نہ کیا ہو۔ خفی زیر بحث ہے اور مجتہدین کے نزدیک مقبول ہے۔

جو کوئی رتبہ اجتہاد کو پہونچا ہو، وہ مکلف ہے کہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے اور جو اس رتبہ کو نہ پہونچا ہو وہ مکلف ہے کہ کسی اعلم اور اورع سے فتوے لے اور اسکا مکلف نہیں کہ ماخذ دریافت کرے۔ دلیل اس کی عمل صحابہؓ اور تابعینؒ ہے کہ مستفتی کو تکلیف ماخذ دریافت کرنے کی نہیں دیتے تھے۔ عامی کو اعلم اور اورع کی پہچان کے لئے قدرت کاملہ نے وجدان صحیح بشرط اعتنا عطا کر دیا ہے۔ ائمہ نے جو اون کے اقوال پر عمل کرنے سے بغیر دریافت ماخذ کے ممانعت کی ہے، اوس کے حق میں ہے کہ جس کو یہ ملکہ حاصل ہو، عاجز کے نزدیک اس امر کی توفیق ایسی ہے جیسے ان مسلمات میں (۱) اتباع سلف اعنی صحابہؓ و تابعینؒ ضروری ہے (۲) اور عصمت خطا سے سوا انبیاء علیہم السلام کے کسی کو حاصل نہیں۔ یہ کل بحث بطور قواعد تھی اور واقع یہ ہے، کہ اہل حق کا کوئی جم غفیر اور سواد کثیر کسی ایسے مذہب پر متفق نہیں ہوا کہ جو کتاب اور سنت کے خلاف ہو اور ایسا کوئی مسئلہ تحت الحدیث کم ہوگا کہ اُس میں ائمہ کا اختلاف ہو، اور سلف صالح کا نہو۔ اور کیوں نہو کتاب اور سنت پر اتفاق ہونے سے استنباط پر کب اتفاق ہو، اور حکم شرعی کی کوئی حکمت غیر منضبطہ معلوم ہونے سے وہ وصف منضبط جسکی فقیہ کو تلاش ہے۔ وہ کب سہل الوصول

ہوگئی۔ والسلام۔ محمد انور عفاہ اللہ عنہ مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔"

جناب مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی مدرسہ دیوبند تحریر فرماتے ہیں:۔

"بحمد اللہ یہ مرحلہ طے ہو چکا ہے۔ تنقید روایات فقیہ منقولہ من الائمہ رحمہم اللہ کی پوری تحقیق اور تنقید ہو چکی ہے۔ اور علماء محققین شکر اللہ سعیہم کے مساعی جمیلہ جو اس بارہ میں مدون ہیں اون سے اہل علم بے خبر نہیں ہیں اور بحمد اللہ اس مدرسہ کے اساتذہ بھی بوقت درس اسکا پورا اہتمام فرماتے ہیں۔ اور تطبیق بین الروایات والاحادیث میں بھی فروگذاشت نہیں فرماتے اور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے راجح اور مرجوح کو ممیز وممتاز فرماکر عاملین کو اس بار سے سبکدوش فرما دیا ہے۔ اور متاخرین فقہاء نے یہ ارقام فرما دیا ہے واما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وما صححوہ وکما لو افتوا فی حیاتہم۔ و قال اللہ تعالیٰ فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون وفوق ذی کل علم علیم فقط والسلام علی من اتبع الہدیٰ کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند۔"

جناب مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند تحریر فرماتے ہیں:۔

"مکرم من سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ عنائت نامہ مطبوعہ پہونچا۔ جس امر کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ ایک طویل الذیل اور متعسر معاملہ ہے الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ دارالعلوم دیوبند وسہارنپور میں تمام علوم وفنون بالخصوص علم فقہ وحدیث وتفسیر کی تعلیم نہایت تحقیق کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ آپ نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر تحریر فرمایا ہے اسی تعلیم کا یہ ثمرہ ہے۔ کہ بدعت وسنت کا فرق واضح ہوگیا۔ طالبین حق کے لئے مسلک واضح ہوگیا۔ سلیم الطبع عقول نے اسکو قبول کر لیا۔ فقہ وحدیث دونوں کی تعلیم اپنے خیال میں بخوبی تنقید وتحقیق روائت ودرائت سے ہوتی ہے فقہی روائت کی بھی تنقید کی جاتی ہے۔ آپکو خود یہاں کا طریقہ معلوم ہے شرعیات میں منتہاء بحث بلا شبہ قرآن وحدیث ہیں۔ ہر ایک مجتہد وعالم کی کوشش اتباع قرآن و حدیث ہے۔ لیکن بر بنائے اختلاف روایات ومعانی واصول اجتہاد صحابہؓ کے

قرن سے زمانہ مجتہدین اور اس کے مابعد اختلاف آراء و اجتہادات قائم رہا اور رہیگا لاکھوں ائمہ و مجتہدین و علماء کی عمریں تحقیق و تنقید و انطباق میں صرف ہوئی ہیں لیکن اتفاق رائے نہیں ہوا۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے۔ مسائل مجتہد فیہا اور مختلف فی الروایات میں۔ ایسی تنقید و تحقیق نہایت عسیر ہے۔ کہ کسی ایک قول پر متفق ہو جائیں اور یہ بھی لازمی امر ہے کہ منتہاء بحث تک پہونچنا اور اس کے درپے ہونا بھی ہر ایک کا کام نہیں۔ ہر ایک عالم اس درجہ کا نہیں ہوتا جو جماعت مجتہدین کے اقوال یا مذاہب میں سے ایک قول یا مذہب کو ترجیح دیتی ہے وہ محض ایسی ترجیح اتباع قرآن و حدیث کی بنا پر دیتی ہے۔ اور ائمہ مجتہدین و اقوال علماء کے اتباع سے کسی قرن کسی زمانہ میں مفر نہیں ہوا۔ اور نہ اب ہو سکتا ہے۔ جو آلات فہم و اجتہاد سابق میں میسر تھے۔ اب وہ نہیں ہیں۔ نہ اوس درجہ کا علم و تقویٰ۔ نہ وہ نور ایمان و قوت علم ہے۔ پھر جو علماء ہیں وہ ہر مسئلہ میں تحقیق و تنقید کرتے ہیں۔ اور جسکو تسلیم کرتے ہیں علیٰ بصیرۃ کرتے ہیں۔ اس کے بعد اگر تحقیق و تنقید روایات و معانی قرآن و حدیث یا تحقیق روایات فقہیہ کی صورت ہے تو یہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت باہم بیٹھکر کرے۔ لیکن اس صورت میں مسائل کی تنقید کے ساتھ بلکہ اوس سے مقدم یہ امر ہوگا۔ کہ عامی اور معمولی درجہ کے اہل علم جو قوت و غزارت علم سے خالی ہیں۔ اون کے لئے کسی مجتہد حق کے اقوال و روایات کو پیش رو بنانا مناسب و ضروری ہے۔ یا ہر ایک آزاد ہے کہ اپنے علم پر اعتماد کرکے جس کے قول و مذہب کو چاہے اختیار کرے۔ یا حدیث و قرآن سے استخراج مسائل کرے اور یہی مسئلہ اہم اور زیر غور و تحقیق ہوگا اور پھر اس کے بعد تفصیلی طور پر مسائل پیش ہو کر تحقیق و تنقید کا سلسلہ جاری ہو سکتا ہے۔

آپ خود اس امر پر غور فرمالیں کہ یہ امر کس قدر طویل ہے اور پھر بھی نتیجہ تک پہونچنا دشوار در دشوار ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور

فرمائینگے۔ فقط والسلام۔ (محمّد احمد مہتمم مدرسہ دیوبند)"

جناب مولانا خلیل احمد صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور تحریر فرماتے ہیں:۔

"جناب مکرم مولانا ثناء اللہ صاحب زاد لطفکم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ جس دلی اخلاص سے جناب سے مطبوعہ والانامہ ارسال فرمایا ہے اوسی اخلاص سے جواب عرض کرتا ہوں۔ کہ مبحوث مسئول کے متعلق علماء احناف اہل سنت وجماعت کیطرف سے پوری تنقید ہو چکی ہے۔ اور متعدد رسائل وکتب موجود ہیں جن میں اس مسئلہ کو صاف اور مبرہن کر دیا گیا ہے (لہذا اب چھیڑ چھاڑ فضول ہے۔ امید ہے کہ جناب مجھکو اور دیگر مدرسین کو اس بے سود ارادہ سے معاف فرمائینگے) فقط والسلام۔ (خلیل احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور)

جناب مولانا عنائت الٰہی صاحب مہتمم مدرسہ مذکور سہارنپور تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ تنقید اور تنقیح سب کچھ پہلے ہو چکی ہے۔ اب نہ ہمارے پاس کافی سامان ہے نہ اس قدر طاقت اور نہ اس قدر ذہن صائب اور رسا۔ بلکہ اون کے نکات و دقائق کو بھی ہم نہیں سمجھ سکتے چہ جائیکہ تنقید۔ چاند پر سیاہی اور راکھ ڈالنے سے اپنا ہی مُنہ کالا ہوتا ہے۔ العلماء ورثۃ الانبیاء ہیں اور انبیاء علیہم السلام واسطے تبلیغ وحدانیت ورسالت کے مبعوث ہوئے ہیں۔ صدہا جگہ وحدانیت ورسالت کی خبر ہی نہیں۔ وہاں پر تبلیغ کرنی ضروری ہے۔ جو اہم کا علماء کا ہے۔ فقط بندہ ضعیف العباد عنایت الٰہی سہارنپور"

جناب مولانا سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب سابق مدرس اول مدرسہ امدادیہ مراد آباد (حال دیوبند) تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ تنقید روایات فقہ ہر فریق کے اکابر اس امر سے ہم کو سبکدوش فرما چکے ہیں۔ اب بجز تحصیل حاصل نفع نہیں"

جناب مولانا احمد علی صاحب سابق مدرس اعلیٰ مدرسہ عربیہ شہر میرٹھ حال دہلی تحریر فرماتے ہیں:۔

"علماءِ دین پر واجب ہے کہ کسی امام کے قول کو حدیث صحیح مرفوع کے خلاف قابل عمل قرار نہ دیں۔ اگر ایسا کیا تو یہ شرک فی الرسالت ہوگا۔ مگر جب امام ما بہ الاستدلال حدیث یا قرآن مجید کی طرف رجوع کریں تو اس صورت میں رد کرنا حدیث کا حدیث یا قرآنِ مجید سے ہوگا نہ کہ قول امام سے۔ ایسی حالت میں امام کے قول کو حدیث کے خلاف قرار دیکر مردود خیال کرنا سراپا جہالت ہوگا۔ بخاری شریف کی ہر ایک حدیث کو غیر منسوخ۔ غیر مجروح خیال کرنا قابل قبول نہیں، مقدمہ ابن حجر کو بنظر غور دیکھو۔ اور نظر غائر کو کام میں لاویں اور درحالت تعارض روائت و درائت کو پیش نظر رکھو۔ اور جمہور اصحاب کے عمل کو حکم قرار دو۔ بے انصافی ہوگی اگر ہم اپنے آپکو اصحاب سے زائد عامل بالحدیث خیال کریں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ احمد علی عفی عنہ از میرٹھ۔ حال فتحپوری دہلی)

جناب مولانا عبد الباری صاحب لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"جواباً عرض ہے کہ مدارس عربیہ موجودہ نے، جہانتک مجھے علم ہے، انجماد بڑھایا ہے مجتہدین کی تنقید تو درکنار اساتذہ کی اس درجہ تقلید ہوگئی ہے کہ ان کی تنقید بھی دشوار ہے۔ اسکی اصلاح مقدم ہے۔ بدعات مختلف فیہا سے اسقدر اعتنا ہے کہ متفق علیہا کی جانب توجہ نہیں ہوتی۔ جس سے سوائے تفریق جماعت کے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

بدعات فی الاعتقاد کی کوئی روک تھام معقول نہیں ہی جو اہم تر ہے افسوس ہے کہ علم اصول فقہ جسکا اصل مقصود وہی تھا جسکی جانب آپ نے توجہ منعطف فرمائی ہے کما ینبغی اعتنا سے پڑھایا نہیں جاتا۔ ورنہ اسکا لازمہ ہے کہ تنقیدی نظر مسائل شرعیہ میں ہونے لگے جیسا کہ نظائر ہمیشہ سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ خاندان دہلی و لکھنؤ اسکے شاہد ہیں اور اس سے متاثر ہوکر قدمائے دیوبند نے قدم بڑھایا تھا۔ مگر سامان مہیا نہ ہونے کے باعث وہ قدم رک گیا۔ مجھے خود بھی اسکا خیال ہے اور اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک نرم تحریک اپنے مدرسہ میں جاری کی ہے۔ مگر نہایت تاسف ہے کہ جس قابلیت کے طلبہ درکار ہیں۔ باوجود تمام مصارف کے متکفل ہونیکے دستیاب نہیں ہوتے

ہم اجتہاد کے انقراض (ختم) کے قائل نہیں۔ اور مسائل شرعیہ اور جزئیات فقہیہ قرآن و
سنت کے مطابقت کے بدوں اس کو امتیاز کرنے میں پس و پیش ہوتا ہے۔ باوجود
اس کے ہر عامی کے لئے تنقید کی بجائے تقلید کو اچھا سمجھتے ہیں۔ ہمارا فرض اولین
ہے کہ نصاب شرعیات پر بہت غائر نظر ڈالکر طرز تعلیم کی اصلاح کریں۔ تاکہ ایسی قابلیت
پیدا ہو کہ مستند علماء درجہ عامی سے تو بڑھ جائیں پھر آگے بھی ترقی ہو سکتی ہے فقط۔

جناب | مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی تحریر فرماتے ہیں :-
"ائمہ مجتہدین خصوصاً ائمہ متبوعین کی فقہیات کی تنقید اسی حد کمال پر ہو چکی ہے جتنی کہ صحیحین
کی تاہم تنقید کا حق حاصل ہے ۔ مگر بغیر تشدید ضوابط و شرائط تنقید کی اجازت دینا خصوصاً
اس زمانہ میں کہ اعجب کل ذی رائی برایہ کا بہترین مصداق ہے ۔ سرود بستان
یاد دہانیدن ہوگا۔ والسلام علیکم وعلی من حضرنا دیکم "

جناب | خواجہ عبدالحی صاحب گرداسپوری از لاہور تحریر فرماتے ہیں :-
"بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ و السلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد
حضرت الفاضل الجلیل وفقکم اللہ وایانا لما یحبہ ویرضاہ السلام علیکم و
رحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مطبوعہ گرامی نامہ شرف صدور پایا۔ اس سوال کا جواب میرے
نزدیک تو یہی ہے کہ ارباب فضل وکمال ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہر قول کو کتاب و
سنت پر عرض کریں۔ کہ وہی ہمارے تمام تنازعات واختلافات باہمی کے لئے حَکَم ہیں۔
فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول الآیہ اور یہی وہ چیز ہے جس پر
تمام فرزندان اسلام جمع ہو سکتے ہیں، ورنہ خرط القتاد آج اُمت معظمہ میں جس قدر
خرابیاں ہو رہی ہیں۔ انکا علاج وحید قرآن ہے۔ جبتک اس سے تمسک واعتصام
نہ کرینگے، ور تقلید اعمیٰ سے، الگ نہ ہونگے، ان کیلئے جنت ارضی کے دروازے کبھی کھُل
نہیں سکتے۔ اس وقت ان سطور پر اکتفا کرتا ہوں۔ اگر ضرورت ہوئی تو مزید تفصیل
عرض کرونگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وبیدہ التوفیق۔ از لاہور فقیر عبدالحی کان اللہ لہ "

جناب | مولانا نجم الدین اور مولانا نورالحق صاحبان از لاہور تحریر فرماتے ہیں :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ والسلام علےٰ عبادہ الذین اصطفیٰ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جملہ احادیث پر ہم جرحاً وتعدیلاً رداً وقبولاً گفتگو کرنے
کے مجاز ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص زید وبکر کو یہ حق نہیں پہونچتا بلکہ اسکے لئے
ائمہ جرح وتعدیل نے اصول وضوابط مقرر فرمائے ہیں ۔ اور انہیں کو پیش نظر رکھکر ہم
معرض بحث میں آسکتے ہیں ۔ ان اصول وضوابط کی توضیح کتب رجال واحادیث میں
موجود ہے اسی قاعدہ کے مطابق اصول فقہ کی متداول کتابوں میں ان اصول وضوابط
کو بیان کیا گیا ہے جنکو پیش نظر رکھکر ہم ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وروایات پر
بحث کرسکتے ہیں اور یہی اصل واساس ہے ۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ ۔ نجم الدین
غفرلہٗ (مولوی فاضل ومنشی فاضل) از لاہور ۔ نور الحق دیوبندی (مولوی فاضل) از لاہور

جناب مولانا محمد مبارک حسین صاحب مدرس اول مدرسہ قاسم العلوم خورجہ (حال شہر میرٹھ)
تحریر فرماتے ہیں :۔

"سراپا فضل وکرم جناب مولانا ثناء اللہ صاحب دام فضلکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و
برکاتہٗ ، جناب کا مطبوعہ والا نامہ صادر ہوا ۔ اگرچہ یہ ناکارہ اس کا اہل نہ تھا کہ جناب نے
فضلاء کی جماعت میں اسکو شمار کر کے مخاطب کیا ۔ یہ جناب کا حسن ظن ہے ۔ مدارس دیوبند
کی روحانیت نے بیشک دنیا کو کفر وشرک اور بدعات وغیرہ کے اندھیروں سے نکالا
اور اتباع سنّت رسول الثقلین صلے اللہ علیہ وسلم کا سبق پڑھایا ۔ علوم آلیہ کو ترویج کی ۔
چنانچہ ہر گوشہ میں اس کے تعلیم یافتگان نے جلوہ افروزی کی اور اپنی فراست کو مشل
آفتاب نیمروزہ ظاہر کر کے دنیا کے روبرو پیش کیا ۔ اور ہر وقت اپنے صحیح مسلک تعلیم و
ترقی میں مصروف ہیں اور اپنے مسلک کے خلاف ہر قسم کے اصولی وفروعی معاملات
پر نظر رکھتے ہیں اور چونکہ مسلکاً تقلید کو امر ضروری سمجھتے ہیں ۔ اس لئے حد مناسب تک

تنقید وتحقیق بھی کرتے ہیں ۔ اس لئے کہ اقوال ائمہ پہ تنقید کرنا حقیقتاً اہل نظر کا کام
ہے وہ منکر تنقید نہیں ۔ البتہ اہل ہوتے ہوئے نظر کرنا اصولاً جائز سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ
علامہ شامی نے ردالمحتار میں جلد اول ص۴۶ پر امام اعظم رحؒ کے قول کے متعلق یہ فرمایا ہے :۔

اھل النظر فی النصوص ومعرفۃ محکمھا من منسوخھا الخ تو اقوال ائمہ پر تنقیدی نظر رکھنا خارج از وظیفہ مقلد ہے۔ اوس کیلئے قول مجتہد مطابقاً قرآن وحدیث حکماً باعثِ سکوت ہے جیسا کہ قرآن وحدیث دونوں صورتوں میں بحالت تصریح موجب سکوت اور آمنا وصدقنا ہوتا ہے۔ مقلدین کو اصولاً طلب دلیل کا حق نہیں ہے۔ ازروئے مسلک نہ معلوم اپنے لئے بلحاظ طبقات کس درجہ کا سمجھکر کون امر پسند کریں۔ علم الطبقات میں اس قسم کے معیار مصرح بیان ہیں کہ یہاں کس کا وظیفہ ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ شریعت میں تقلید ایک امر نتیجہ خیز ثابت ہو۔ اگر بلحاظ طبقات خلاف منصب اہل سنت اقوال ائمہ میں تنقید کرنی شروع کردی جائے تو توقع ثواب کی نہیں معلوم ہوتی۔ واللہ اعلم والسلام

محمد مبارک حسین محمودی صدر مدرس مدرسہ قاسم العلوم خورجہ (حال میرٹھ)

یہ جوابات گو الفاظ میں مختلف ہیں مگر مضمون میں سب متحد ہیں۔ کیونکہ ان سب کا مضمون یہی ہے۔ کہ اقوال ائمہ محل تنقید ضرور ہیں۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ منتہائے بحث نہیں بلکہ منتہاء بحث قرآن وحدیث ہیں۔

ہاں ان حضرات کا یہ فرمانا کہ ان اقوال کی تنقید ہو چکی ہے بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ اقوال ائمہ محل تنقید ہیں۔ جبھی تو تنقید ہوئی ورنہ تنقید کیوں ہوتی۔ محل تنقید ہونے میں اختلاف نہ رہا۔

رہی یہ بات کہ "انکی تنقید ہو چکی ہے تو اب حاجت تنقید نہیں" قابل غور ہے جس صورت میں ائمہ مجتہدین عظام کے اقوال محل تنقید ہو کر تنقید کئے گئے تو کیا یہ تنقید جو متاخرین نے کی ہے محل تحقیق نہیں؟ حالانکہ ان علماء کا (جنہوں نے اقوال ائمہ کی تنقید کی ہے) درجہ سابقین ائمہ کرام سے بہت کم سمجھا جاتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اعلیٰ کی تنقید تو کی جائے مگر ادنیٰ پر بحث ختم کردی جائے۔ کیا اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوگا کہ ائمہ کرام کے اقوال تو منتہاء بحث نہیں مگر متاخرین کے اقوال منتہاء بحث ہیں۔

لم یقل بہ احد

تعریف تقلید

شرعیات میں منتہاء بحث قرآن وحدیث ہوئے تو مسائل شرعیہ کی تحقیق کی انتہاء بھی قرآن وحدیث تک پہونچنی چاہیئے۔ ان سے ورے کسی عالم (ایک ہو یا کئی ایک) تک پہونچا کر سلسلہ تحقیق ختم کر دینا یہی تقلید ہے۔ یہ تعریف ہماری خود ساختہ نہیں ہے بلکہ علماء اصول کی بتائی ہوئی ہے جن کے الفاظ یہ ہیں:۔

علامہ ابن السبکی جمع الجوامع میں اور علامہ جلال محلی اس کی شرح میں یوں رقمطراز ہیں:۔

التقلید اخذ قول من غیر معرفۃ دلیلہ (متن)	کسی قول کو اس کی دلیل جاننے کے بغیر قبول کرنا تقلید ہے۔
و اخذ القول الغیر مع معرفۃ دلیلہ اجتہاد وافق اجتہاد القائل (شرح جمع الجوامع جلد ۲ صفحہ ۲۵۱)	کسی کا قول دلیل سے جانچ کر لینا اجتہاد ہے۔ جو قائل کے اجتہاد کے موافق ہے "

تقلید عدم تقلید کی مثال اوّل

زید نے سنا ہے کہ ایک عالِم نے یہ فتوٰے دیا ہے مجرد اس کے سُننے سے اسکو صحیح مان کر اوسے واجب العمل مان لیا۔ اور دلیل طلب نہ کی تو زید اس مسئلہ میں مقلد ہے۔ عمرو نے فتوٰی مذکور سنکر اوس عالم سے دلیل پوچھی۔ عمرو کو اگرچہ تنقید کی لیاقت نہیں لیکن سوال کر کے دلیل کا علم حاصل کرنے سے عمرو تقلید سے نکلکر تحقیق کے میدان میں آگیا۔ عملی رنگ میں دونوں (زید اور عمرو) برابر ہیں مگر علمی رنگ میں ایک مقلد ہے دوسرا غیر مقلد یا محقق۔

دوسری مثال

زید مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو جا رہا ہے۔ ایک اور شخص (عمرو) اوس کے ساتھ ہو لیا۔ جس کو مطلق خبر نہیں کہ مکہ سے مدینہ کدھر کو ہے اور کتنے میل دور ہے۔ جہاں زید چلتا ہے وہ بھی چلتا ہے۔ جہاں ٹھیرتا ہے وہ بھی ٹھیر جاتا ہے۔ نہ اسکو راستے کی مسافت کی خبر ہے

نہ اردگرد کی۔ ایک اور شخص خالی بھی ساتھ چلتا ہے جو راستے میں نشان پوچھتا جاتا ہے اور اُسے یہ معلوم ہے کہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ (قریباً ۳ سو میل) پر ہے۔ اسلئے جہاں اسکا ہادی کہیں رستہ کاٹ کر چلتا ہے تو وہ سوال کرتا ہے جسکا وہ جواب دیتا ہے۔ اتنے فرق سے پہلا شخص مقلد ہے دوسرا غیر مقلد یا محقق۔

اس تعریف کے مطابق کچھ فرق نہیں کہ کوئی شخص ایک شخص کے ساتھ یہ برتاؤ کرے یا جماعت کیساتھ کرے۔ دونوں صورتوں میں دونوں شخص مقلد ہونگے۔

اس رسالہ میں ان دونوں قسم کی تقلید کا ذکر ہوگا۔ مگر کسی استدلالی طریق سے نہیں بلکہ محض واقعات کی رو سے۔

تنبیہ ۱ مروجہ کتب فقہ میں ہدایہ کو یہ مبسوط خاص امتیاز حاصل ہے کہ اسمیں ہر مسئلہ فقہیہ پر نقلی اور عقلی دلیل ملتی ہے۔ اپنے امام کی دلیل کے علاوہ مخالف کی دلیل بھی نقل کر کے فاضل مصنّف جواب دیتا ہے چونکہ تقلید کی تعریف میں دلیل کی عدم معرفت داخل ہے اسلئے ہدایہ کے مصنّف بلکہ متعلم بھی جو ہدایہ یا اور کوئی کتاب مع اوسکی دلائل کے سمجھکر پڑھاتے یا پڑھتے ہیں۔ بلحاظ تعریف مذکور کے مقلد نہیں رہ سکتے نہ کہلا سکتے ہیں۔ مناسب ہے وہ اپنا نام کوئی اور تجویز کریں۔

شہادت مولانا اشرف علی تھانوی رکن مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں:۔

"تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلا دیگا۔ اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا"۔ (الاقتصاد صـ ۱۷)

جب تقلید کی تعریف میں عدم علم اور عدم معرفۃ دلیل داخل ہے۔ تو ہدایہ جیسی مدلل کتاب کو پڑھنے اور پڑھانے والے کیونکر مقلد رہ سکتے ہیں (فتفکروا یا اولی الالباب)

اور وسعت بلکہ کوئی مقلد شخص جو کسی فقہی مسئلے کو با دلیل جانے وہ اس مسئلے کی حیثیت سے تقلید سے نکل جائیگا کیونکر تقلید میں عدم معرفۃ دلیل داخل فی الماہیۃ ہے۔

لطیفہ آجکل کے لوگ جو مروّجہ بدعات پر دلائل پیش کیا کرتے ہیں اور اپنے مقابلین

کو غیر مقلدین کہا کرتے ہیں۔ وہ غور کریں تو عملی طور پر خود غیر مقلد بنتے ہیں مثلاً جب وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ والفجر ولیال عشر (دس راتوں کی قسم اور فجر کی قسم) کہتے ہیں کہ دس راتیں اور ایک فجر بلکہ گیارہ ہوئیں بس پیر صاحب کی گیارھویں ثابت ہوگئی۔ یہ دلیل صحیح ہو یا غلط، اس سے بحث نہیں، مگر اتنا تو ثابت ہوا کہ ان لوگوں نے قرآنی دلیل سے یہ مسئلہ سمجھا۔ کسی مسئلے کو دلیل سے سمجھنا ترکِ تقلید ہے۔ پھر ان لوگوں کے تارکِ تقلید ہونے میں کیا شبہ؟ الحمد للہ ع ہمارے ہاتھ آیا اک مفلسی میں۔

نتیجہ ۲

تقلید کی ماہیت یہ ہوئی کہ کسی عالم کے فتوے کو اس کی دلیل جاننے کے بغیر تسلیم کرنا تو اس کا نتیجہ صاف ہے کہ تقلید فرض واجب نہیں کیونکہ فرض واجب کہنے کی صورت میں لازم آئیگا کہ یہ کہا جائے کہ مجتہد یا عالم سے مسئلہ پوچھنا تو فرض ہے مگر اس کی دلیل پوچھنی حرام۔ کیونکہ فرض کی نقیض حرام ہے۔ پس کوئی مقلد مفتی سے مسئلہ پوچھے تو اسکی دلیل ہرگز نہ پوچھے ورنہ حرام کا مرتکب ہو کر دائرہ تقلید سے نکل جائیگا۔ ایسا فتوٰے کون دے سکتا ہے کہ عالم سے فتوٰے تو پوچھے مگر یہ نہ پوچھے کہ حضرت! اس مسئلہ کی دلیل کیا ہے؟ کیونکہ ایسا پوچھنے سے اس کو دلیل کی معرفت حاصل ہو جائیگی اور وہ مقلد نہ رہیگا۔ اسکا مطلب صاف ہے کہ مسئلہ فرضیت تقلید در اصل بے علمی پر مبنی ہے جو علم کی نقیض ہے اعاذنا اللہ من الجہالۃ۔

چونکہ دلیل کا پوچھنا جائز بلکہ اولیٰ ہے اس لئے تقلید فرض۔ واجب سنت۔ یا مستحب نہ رہی۔ فافہم۔ آجکل جو لوگ تقلید کو فرض واجب کہے جاتے ہیں غالباً وہ تقلید کی تعریف سے واقف نہیں۔ چونکہ تقلید کی ماہیت میں جہالت کو دخل ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کے دعوے (فرض و جوب) میں بھی جہالت داخل ہو۔ تو کیا تعجب بلکہ مناسب ہے۔

سلف کا طریق عمل

ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ تقلید عدم تقلید پر فریقین کیطرف سے تحریرات بکثرت شائع ہو چکی ہیں جنہیں دلائل اور استنباطات سے کام لیا گیا۔ کسی میں منقولی دلائل (قرآن و حدیث) سے

بحث کیگئی ہے اور کسی میں معقولی طریق سے۔ لیکن ہمارے اس رسالہ میں کسی استنباطی دلیل سے بحث نہیں ہوگی۔ بلکہ صرف سلف صالحین کا طریق عمل اور علمی روش دکھائی جائیگی کہ پچھلے طبقے والے پہلے طبقے سے کیا برتاؤ کرتے تھے۔ نیز آپس میں چھوٹے بڑوں سے مذہبی مسائل میں کس طرح پیش آتے تھے۔ یعنی اون کا قول بے چون وچرا قبول کر لیتے تھے یا اپنا بھی کچھ دخل دینے کا حق جانتے تھے۔ پس جو روش ان سلف صالحین کی ثابت ہوگی اُنہی میں ہم پر اتباع سلف واجب ہے۔

سلف کون ہیں؟

گو اس میں اختلاف ہے کہ سلف صالحین کون لوگ ہیں۔ علامہ شامی ردالمحتار میں صحابہ اور تابعین تک سلف صالحین سمجھتے ہیں۔ بہت سے علماء تین طبقوں (صحابہ۔ تابعین اور تبع تابعین) تک کہتے ہیں۔ ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے۔ ہمارا قول ہے:۔

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ

تقلید شخصی

تقلید شخصی کے قائل دراصل چار فرقے ہیں۔ حنفی۔ مالکی۔ شافعی اور حنبلی۔ یہی چار مذاہب کے پیرو کہلاتے ہیں لیکن ہندوستان میں ہمارا ساتھ حنفیوں سے ہے۔ اس لئے انہی کے ائمہ سلف کے واقعات ہم بتائینگے۔

تقلید شخصی کے معنے ہیں "ایک خاص معیّن امام کی پیروی کرنی" حنفیہ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کی تقلید کرتے ہیں۔ جب اون سے کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے خاص شاگرد بہت سے مسائل ہیں اُن سے اختلاف رائے رکھتے تھے اور اپنے امام کی بات کو چھوڑ دیتے تھے جیسا کہ ہدایہ[1] وغیرہ میں مفصل مرقوم ہے تو جواب ملتا ہے کہ

[1] جلد ۴۔ مصری صفحہ ۳۴۲ مطبع میمنہ

امام صاحب کے شاگرد (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) فروع میں تو استاد سے اختلاف کرتے تھے۔ مگر اصول میں اپنے استاد کے تابع تھے۔ اس لئے وہ مقلّد تھے۔ اس جواب کی تنقید کرنے پر ہم نے یہ محنت کی ہے۔ بحمد اللہ جس حد تک ہم کامیاب ہوئے ہیں وہ ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کرتے ہیں۔

علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں:۔

فانهما (ای ابا یوسف ومحمدا) یخالفان اصول صاحبهما (طبقات سبکی ج۱ ص۲۴۳)

قاضی ابو یوسف اور محمد۔ امام ابو حنیفہ (رحمہم اللہ) کے اصول میں بھی مخالفت کرتے تھے۔

مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی مرحوم لکھتے ہیں:۔

انهم ادرجوا ابا یوسف ومحمدا فی طبقة مجتهدی المذهب الذین لا یخالفون الامام فی الاصول۔ ولیس کذلک فان مخالفتهما لامامهما فی الاصول غیر قلیلة حتی قال الامام الغزالی فی کتابه المنخول انهما خالفا ابا حنیفة فی ثلثی مذهبه۔

(مقدمہ شرح وقایہ ص۸)

علماء طبقات نے ابو یوسف اور محمد کو مجتہد فی المذہب میں شمار کیا ہے۔ جو اپنے امام کے اصول مقررہ میں اختلاف نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں کیونکہ ان دونوں کی اپنے امام سے اصول میں جو مخالفت ہے وہ بہت زیادہ ہے یہانتک کہ امام غزالی نے کتاب "منخول" میں کہا ہے کہ ان دونوں (ابو یوسفؒ اور محمدؒ) نے اپنے امام سے دو ثلث مذہب میں اختلاف کیا ہے۔"

میں نے اس بیان کو بھی مجمل جانکر ناکافی سمجھا۔ اور مفصّل کی جستجو میں لگا رہا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے کتبخانوں میں تلاش کی۔ علماء اعلام سے دریافت کرتا رہا کہ کوئی ایسی کتاب ہے جس میں ان اصول کا ذکر ہو جو ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں متفق علیہ یا مختلف فیہ تھے۔ کسی سے پتہ نہ چلا۔ آخر بحکم مَنْ جَدَّ وَجَدَ مجھے ایک کتاب "تاسیس النظر" مطبوعہ مصر ملگئی۔ الحمد للہ حمداً کثیرا طیبا مبارکا فیہ یہ کتاب ایک بڑے محقق اور مستند عالم کی تصنیف ہے۔ آپکا نام اور مختصر حالات اسی کتاب کے دیباچہ میں طبقات حنفیہ اور معجم البلدان حموی سے لکھے ہیں جو یہ ہیں:۔

"آپکا نام عبید اللہ بن عمر بن عیسیٰ دبوسی آپ سات مشہور قاضیوں میں سے ایک قاضی تھے۔ دقت نظر اور دلائل بیان کرنے میں آپکی مثال دیجاتی تھی۔ فقہاء حنفیہ میں بہت بڑے فقیہ تھے بخارا سمرقند اور ان کے ارد گرد کی شیخیت (استادی) انہی پر ختم تھی بخارا میں سنہ ۴۳۰ھ ہجری میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ۔

دبوس بخارا اور سمرقند کے درمیان ایک موضع ہے جسکی وجہ سے آپکو قاضی دبوسی کہا جاتا ہے۔"

نوٹ خاص
قابل توجہ علماء کرام

آجکل جو علم اصول فقہ پڑھایا جاتا ہے یہ متاخرین کی ایجاد ہے زمانہ ائمہ اربعہ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ یہ اصول متعلقہ الفاظ اور متعلقہ دلالات ہیں۔ ائمہ اربعہ کے زمانہ میں علم اصول فقہ بشکل دیگر تھا جو آجکل تو قریباً مفقود ہو گیا مگر اون دنوں وہی مدار کار تھا وہ علم اصول وہی تھا جسکی طرف حضرت استاذ الہند شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز نے اشارہ کیا ہے فرماتے ہیں:۔

"باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل و فتاویٰ بر دو وجہ بودند یکے آنکہ قرآن و حدیث و آثار صحابہ جمع میکردند و از آنجا استنباط مے نمودند و ایں طریقہ اصل راہِ محدثین است۔

دیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمعے از ائمہ تنقیح و تہذیب آں کردہ اند یاد گیرند بے ملاحظہ ماخذ آنہا پس ہر مسئلہ کہ وارد مے شد جواب آں از ہماں قواعد طلب مے کردند و ایں طریقہ اصل راہ فقہا است" (مصفی شرح مؤطا ص ۳)

یہ علم اصول آجکل کے علم اصول فقہ اور علم فقہ میں گویا درمیانی درجہ تھا۔ اس جدید علم اصول میں اشتغال کی وجہ سے اہل علم کو اس سے استغنا ہو گیا حالانکہ وہ علم بھی ضروری تھا۔ موجودہ علم اصول کی بعض کتب (مسلم الثبوت وغیرہ) میں اوس قدیم اصول کی جھلک ملتی ہے۔ علماء کرام کو اس امر میں خاص توجہ کرنی چاہیئے کہ اصل علم اصول فقہ داخل نصاب تعلیم ہو۔

اِس کتاب "تاسیس النظر" میں فاضل مصنف نے صرف یہی بیان کیا ہے کہ فقہاء اعلام کے مابین کس کس اصول میں اختلاف تھا۔ وہ اصول جو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ میں مختلف ہیں۔ اون کو بھی بیان کیا ہے۔ مگر سب سے مقدم وہ اصول مختلفہ بیان کئے ہیں جو امام اور صاحبین میں یا شیخین اور امام محمد یا طرفین اور ابویوسف ہیں یا ثلاثہ اور امام زفر میں مختلف ہیں۔

فاضل مصنف نے ہر ایک اصول مختلف کی فروعات بھی بہت بیان کی ہیں مگر ہم اختصار کی نیت سے ہر ایک اصول کے ماتحت صرف ایک دو مسئلے بیان کرینگے۔

اصُول اختلافیہ

قاضی دبوسی لکھتے ہیں :-

القول فی القسم الذی فیہ خلاف بین ابی حنیفہ و صاحبیہ

الاوّل الاصل عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ علی ما ذکرہ ابو الحسن الکرخی رحمہ اللہ ان ما غیر الفرض فی اولہ غیرہ فی آخرہ مثل نیت المسافر"

پہلی قسم وہ اختلاف ہے جو ابوحنیفہؒ اور ان کے دو بڑے شاگردوں میں ہے۔

(۱) امام صاحب کے نزدیک یہ اصول ہے کہ جو چیز شروع میں فرض کو متغیر کرتی ہو وہ اخیر میں بھی کرتی ہے۔ جیسی مسافر کی نیّت"۔

یعنی مسافر نماز پڑھنے سے پہلے اگر اقامت کی نیت کرلے تو اسپر اتمام فرض ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نماز کے خاتمہ پر ختم سے پہلے اقامت کی نیت کرلے تو اتمام فرض ہو جائیگا۔ یہ مثال ہے اُس اصول کی جو امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے ہاں مقرر ہے۔ کہ جو چیز کسی فعل کے شروع میں فرض کو متغیر کرتی ہے وہ انجام پر بھی متغیر کردیگی اس اصول پر بارہ مسائل کی تفریع لکھی ہے جنمیں سے ایک یہ ہے :-

منہا ان المتیمم اذا ابصر الماء فی اخر صلوتہ بعد ما قعد قدر التشہد

اون مسائل فرعیہ میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب تیمم کرکے نماز پڑھنے والا اپنی نماز

قبل ان یسلم فانہ تفسد صلوٰتہ عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ لهذا المعنی لانہ لو حصلت الرؤیۃ فی اول الفرض غیرہ فکذلک اذا حصل فی آخرہ وعندهما لا تفسد۔

کے آخر میں جبکہ وہ تشہد جتنا بیٹھ چکا ہو سلام دینے سے پہلے پانی دیکھ لے تو اسکی نماز ٹوٹ جائیگی امام صاحب کے نزدیک کیونکہ اگر وہ پانی کو نماز شروع کرنے سے پہلے ہی دیکھ لیتا تو تیمم سے شروع کرنا اسکو جائز نہوتا اسیطرح اخیر میں جائز نہوگا مگر صاحبین (ابو یوسف اور محمد) کے نزدیک فاسد نہوگی (کیونکہ انکے نزدیک یہ اصول مسلم نہیں)۔"

الاصل الثانی الاصل عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ ان المحرم اذا اخر النسک عن الوقت الموقت لہ او قدمہ لزمہ دم کمن جاوز المیقات بغیر احرام ثم احرم۔

دوسرا اختلافی اصول یہ ہے امام صاحب کے نزدیک یہ اصول مقررہ ہے کہ محرم (حاجی) جب حج کا کوئی کام وقت مقررہ سے آگے پیچھے کرے تو اسکو قربانی کرنی لازم ہوگی جیسے کوئی حاجی بغیر احرام کے میقات (احرام باندھنے کی جگہ) سے تجاوز کر جائے پھر احرام باندھے تو اس پر قربانی کرنی لازم ہوتی ہے۔"

الاصل الثالث الاصل عند ابی حنیفہ ان الشئ اذا غلب وجودہ یجعل کالموجود حقیقۃً وان لم یوجد کالحدث من النائم المضطجع لانہ غلب وجودہ فجعل کالموجود وان لم یوجد وعلی هذا مسائل۔

تیسرا اختلافی اصول یہ ہے امام صاحب کے نزدیک یہ اصول ہے کہ کسی شئے کے وجود کا غالب گمان ہو تو اس کو مثل موجود کے فرض کر لیا جائیگا جیسے لیٹ کر سونیوالے سے حدث (وضو کا ٹوٹنا) اگرچہ متحقق نہیں لیکن اسکو متحقق مانکر اوسپر وجوب وضو کا حکم لگایا جاتا ہے۔"

مطلب اسکا یہ ہے کہ جس چیز کے وجود کا گمان غالب ہو اسکو موجود مانکر اس کے وجود کے احکام مرتب کئے جائینگے۔ اس اصول پر چند تفریعیں ہیں منجملہ ایک یہ ہے:۔

منہا ان الغلام اذا بلغ خمسۃ وعشرین سنۃ ولم یونس منہ الرشد فانہ یدفع الیہ مالہ یتصرف فیہ وعندهما لا یدفع

لڑکا جب بلوغت کی عمر پندرہ سولہ سالوں کو پہونچ جائے مگر سمجھ بوجھ اس میں نہ پائی جائے تو اس کو اس کا مال دیدیا جائے کیونکہ اکثر

الیہ حتی یونس منہ الرشد

اوقات چونکہ پندرہ سولہ سال کے بچوں میں سمجھ بوجھ پائی جاتی ہے اسلئے اسمیں بھی اسکا وجود مانا جائیگا مگر صاحبین کے نزدیک نہیں۔

الاصل الرابع الاصل عند ابی حنیفہ انہ متی عرف ثبوت الشئ من طریق الاحاطۃ والتقین لای معنی کان فھو علی ذلك مالم یتیقن بخلافہ کمن تیقن الطھارۃ وشك فی الحدث فھو علی طھارتہ ومن تیقن الحدث وشك فی الطھارۃ فھو علی الحدث مالم یتیقن الطھارۃ وعلی ھذا مسائل

منہا۔ ان المرأۃ اذا قالت لزوجہا طلقنی ولك الف درھم فقال الزوج طلقتك ولم تقل علی الالف التی ذکرت یقع الطلاق عند ابی حنیفۃ ولا یلزمہا الالف وذلك لانا تیقنا کون الالف مملوکۃ لہا وشککنا فی الزوال عن ملکہا ولا یحکم الا بتیقن ولا یقین ھھنا وعندھما یستحق المال فی الحال +

چوتھا اختلافی اصول یہ ہی کہ کسی چیز کا ثبوت یقینی ہو تو جبتک اوس کے عدم کا یقین نہو وہ موجود ہی سمجھی جائیگی۔ جیسے کسی شخص کو وضو کرنے کا یقین ہے۔ مگر اوس کے ٹوٹنے کا یقین نہیں تو اس کا وضو بحال سمجھا جائیگا جبتک اسکو نفی کا یقین نہ ہو"

اس اصول پر کئی ایک مسائل متفرع ہیں منجملہ ایک یہ ہے:۔

کوئی عورت خاوند کو کہے کہ مجھو طلاق دیدو میری طرف سے ایکہزار روپیہ تمہارا ہوا۔ وہ خاوند کہے میں نے طلاق دیدی' اس کے جواب میں عورت مذکورہ نے یہ نہیں کہا کہ جس ہزار کا میں نے ذکر کیا ہے وہ تیرا ہوا بلکہ خاموش رہی تو اس صورت میں طلاق ہوجائیگی مگر ہزار روپیہ اسکو نہ ملیگا کیونکہ اس ہزار کی ملکیت اس عورت کی حق میں یقینی ہے اور اسکی ملک سے نکل آنا مشکوک ہی اور زوال الملک کے لئے یقین چاہئے تھا جو یہاں نہیں ہے۔ صاحبین کے نزدیک خاوند ہزار کا مستحق فوراً ہوجائیگا"۔

اس قسم میں قاضی دبوسی نے اکیس اصول لکھے ہیں جو امام ابوحنیفہؒ اور ان کے دو شاگردوں (ابو یوسف اور امام محمد) کے مابین مختلف ہیں اور ان کے نتائج (فروعات) بھی بہت لکھی ہیں۔

دوسری قسم ان اصول کی ہے جن میں امام ابوحنیفہ و ابویوسف ایک طرف ہیں اور امام محمد (جو ان دونوں کے شاگرد ہیں) ان دونوں سے الگ ہیں۔ وہ اصول حسب بیان فاضل دبوسی چار ہیں جن میں سے بطور مثال ایک درج ذیل ہے:-

الاصل عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ ان فساد افعال الصلوٰۃ لا یوجب فساد حرمۃ الصلوٰۃ وعلی ھذا مسائل۔

منھا۔ اذا قرأ فی احدی الاولیین وفی احدی الاخریین فی التطوع وجب علیہ قضاء الاربع عند ابی حنیفۃ وابی یوسف لان الافعال وان فسدت فالحرمۃ باقیۃ فصحت المباشرۃ فی الاخریین فلما صحت المباشرۃ وجب علیہ القضاء عندھما اذا فسدا و عند محمد و زفر یجب علیہ الرکعتان الاولیان ولا یجب علیہ قضاء الاخریین لان الحرمۃ قد فسدت بفساد الافعال۔

امام ابوحنیفہ اور ابویوسف کے نزدیک یہ اصول ہے کہ افعال نماز کے فساد سے تکبیر تحریمہ کا فساد لازم نہیں آتا۔

اس اصول پر کئی مسائل متفرع ہیں ایک انہیں سے یہ ہے کہ کوئی نمازی نفلی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں قرأت پڑھے اور ایک میں نہ پڑھے اور پچھلی دو میں سے بھی ایک میں پڑھے تو اس صورت میں اس پر چار رکعتوں کی قضا واجب ہوگی امام صاحب اور ابویوسف کے نزدیک، کیونکہ افعال صلوٰۃ اگرچہ غلط (فاسد) ہوگئے ہیں مگر تکبیر تحریمہ باقی ہے۔ اسلئے دوسری دو میں شروع کرنا جائز ہوا جب ان دو کو شروع کرنا جائز ہے تو چاروں کی قضا لازم ہوگی امام صاحب اور ابویوسف رح کے نزدیک اور امام محمد اور زفر کے نزدیک پہلی دو رکعتوں کی قضا واجب ہوگی۔ (کیونکہ اصول مذکور ان کو مسلم نہیں) لہٰذا تحریمہ غلط ہوگئی"

تیسری قسم اصول مختلفہ کی وہ ہے جو مابین امام ابوحنیفہ اور امام محمد اور مابین امام ابویوسف کے مختلف ہے۔ یعنی امام صاحب خود مع امام محمد رح کے ایک طرف ہیں۔ اور قاضی ابویوسف دوسری طرف۔ قاضی دبوسی نے اس قسم میں تین اصول لکھے ہیں۔

چوتھی قسم اصول مختلفہ کی وہ ہے جو امام ابو یوسف اور محمد میں مختلف ہیں یعنی امام محمد امام ابو یوسف کے شاگرد اور اُن سے رُتبے میں بہت چھوٹے ہیں مگر عندالاختلاف وہ اپنی علمی تحقیقات کے مقابلہ پر امام ابو یوسف کے اقوال کی پابندی نہیں کرتے حالانکہ ان اصول میں امام ابو یوسف کیساتھ امام ابو حنیفہ بھی بعض دفعہ مؤید ہوتے ہیں۔ چنانچہ فاضل دبوسی لکھتے ہیں :-

الاصل عند ابی یوسف ان الشیٔ یجوز ان یصیر تابعًا لغیرہ وان کان لہ حکم نفسہ بانفرادہ وعند محمد اذا کان لہ حکم نفسہ لا یصیر تابعًا لغیرہ وابو حنیفۃ مع ابی یوسف فی اکثر مسائل ھذا الفصل و علی ھذا مسائل منہا اذا اوجب الرجل المشی علی نفسہ لبیت اللہ الحرام ثم حج من عامہ ذلک حجۃ الاسلام سقط ما وجب بایجابہ عند ابی یوسف وعند محمد لا یسقط لان ایجاب العبد یقوم بنفسہ فلا یصیر تبعا لغیرہ۔

قاضی ابو یوسف کے نزدیک یہ اصول ہے کہ کوئی حکم اگرچہ مستقل وجود رکھتا ہو تاہم وہ کسی موقع پر دوسرے کے تابع ہو سکتا ہے۔ امام محمد کے نزدیک جو حکم مستقل وجود رکھتا ہو وہ دوسرے کے تابع نہیں ہوگا۔ اس اختلافی اصول پر کئی مسائل متفرع ہیں انہیں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے پر بطور نذر واجب کرلے کہ مَیں کعبہ شریف تک پیدل جاؤنگا۔ پھر وہ اسی سال فریضہ حج ادا کرے تو اسی ضمن میں اس سے وہ فرض بھی ادا ہو جائیگا۔ جو اس نے خود اپنے ذمے کیا تھا اور امام محمد کے نزدیک اسکا بطور نذر آپ مانا ہوا فرض ساقط نہوگا۔ کیونکہ انسان کا اپنا واجب کیا ہوا فعل خدا کے فرض کے تابع نہیں۔ اس لئے اس فرض کے ادا کرنے سے وہ فرض ادا نہوگا۔

آن سب سے عجوبہ تر اختلاف وہ ہے جو ان تینوں بزرگوں (امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف و امام محمد) کے مقابلہ میں سب سے چھوٹے نوجوان زُفر کو ان سب حضرات سے ہے۔

واضح رہے کہ زُفرؒ امام ابو حنیفہ صاحب کے شاگردوں میں سے بہت چھوٹا

شاگرد ہے۔ وہ بھی باوجود چھوٹے پن کے اپنے علم اور فہم کو نہ صرف امام ابو حنیفہؒ صاحب بلکہ ان سب بزرگوں کے ماتحت نہیں کرتا، نہ صرف فروعات میں بلکہ اصول میں بھی اختلاف رکھتا تھا۔ چنانچہ قاضی دبوسی نے اس کے لئے الگ مستقل عنوان مقرر کیا ہے جو یہ ہے:

القول فی القسم الذی فیہ الخلاف بین اصحابنا الثلاثۃ وبین زفر۔ الاصل عند اصحابنا الثلاثۃ ان الشئ اذا اقیم مقام غیرہ فی حکم فانہ لا یقوم مقامہ فی جمیع الاحکام وعند زفر یقوم مقامہ فی جمیع الاحکام۔	اوس اختلاف کا ذکر ہے جو ہمارے تینوں اصحاب اور زفر میں ہے ہماری تینوں اصحاب کے نزدیک یہ اصول ہے کہ کوئی چیز کسی دوسری کے قائم مقام ہو جائے کسی خاص امر میں تو وہ سارے امور میں قائم مقام نہ ہوگی۔ مگر امام زفر کے نزدیک سب احکام میں قائم مقام ہوگی۔
علی ھذا مسائل منہا۔ ان الرجل اذا کان یرکع ویسجد فاقتدی بالمومی براسہ لا یجوز عندنا لان الایماء لحکم القیام فی حق جواز صلوٰۃ المومی فلا یقوم مقامہ فی حکم آخر وعندہ لما اقیم ھذا مقام القیام فی مقام جواز صلوٰتہ اقیم ایضاً مقام القیام فی جواز صلوٰۃ غیرہ۔	اس اصول پر کئی مسائل متفرع ہیں۔ انہیں سے ایک یہ ہے کہ کوئی آدمی جو رکوع وسجود کر سکتا ہے وہ اشارے سے پڑھنے والے کے پیچھے اقتدا کر لے تو اسکی اقتدا جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ اشارہ رکوع سجود کے قائم مقام ہوا ہے صرف اوس معذور کے حق میں لیکن وہ دوسرے حکم (امامت) میں قائم مقام نہ ہوگا۔ ہاں زفر کے نزدیک اشارہ چونکہ اوس معذور کے حق میں رکوع سجود کے قائم مقام ہو گیا ہے۔ امامت میں بھی ہوگا۔ اس لئے اس کے پیچھے اقتدا درست ہوگی۔" اس قسم کے ماتحت سات اصول لکھی ہیں

جن کی فروعات بھی کئی ایک ہیں۔

نتیجہ اس ساری بحث کا نتیجہ صاف ہے کہ اوس زمانہ میں تقلید کا رواج نہ تھا۔ اور یہ حضرات گو سارے امام ابو حنیفہ صاحبؒ سے فیضیاب اور

مثل عیال کے شاگرد تھے۔ مگر مسائل کی تحقیق میں اپنے علم و فہم کو امام کے تابع نہیں کرتے تھے۔ نہ فروع میں نہ اصول میں۔ پھر یہ مقلد کیسے ہوئے؟

"خدا ہم کو ان سلف صالحین کی روش پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین"

عذر بارد جب آدمی کسی بات کی حمایت پر اڑ جائے تو اس کے خلاف سُننے پر اُسکی طبیعت اس کو قبول نہیں کرتی۔ بلکہ اس کا جواب تراشنے میں لگجاتی ہے۔ بسا اوقات اس تراش و تلاش میں وہ بقول "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کی مثال سچی کرنے کے علاوہ اس سے بھی ضعیف چیز کا سہارا لیتی ہے۔

یہ ایک صحیح اور مسلمہ واقعہ ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب کے شاگرد امام ابو یوسف امام محمد وغیرہ بہت سے مسائل فرعیہ بلکہ اصولیہ میں بھی اپنے بزرگ استاد سے مختلف الرائے تھے۔ جسکا نمونہ مع ثبوت ہم نے پیش کردیا۔ ایسے صحیح واقعہ کا جواب کیا ہو سکتا ہے۔ تاہم جن حضرات کو یہ گوارا نہیں کہ امام ابو حنیفہ صاحب کے صحبت یافتہ بھی تقلید سے نکل جائیں اُنہوں نے اس کے متعلق عذر کیا ہے۔ وہ عذر ہم اپنے لفظوں میں نہیں بلکہ ایک بڑے عالم بڑے جلیل القدر عہدہ دار کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ جناب مولوی محمد انوار اللہ خاں صاحب مرحوم سابق معتمد (وزیر) امور مذہبی حیدر آباد دکن لکھتے ہیں:-

"یہاں (مقام تقلید میں) شبہ ہوتا ہے کہ امام صاحب کے تلامذہ نے امام صاحب سے جو اختلاف کیا ہے اسکی کیا وجہ؟ اسکا جواب موفق رحمۃ اللہ نے مناقب میں لکھا ہے کہ سہل بن مزاحم کہتے ہیں کہ جن مسائل میں ابو یوسف رحمۃ اللہ نے امام صاحب کا خلاف کیا ہے اسکی وجہ یہ ہوئی کہ اُنہوں نے امام صاحب کے اقوال کی وجہ نہیں سمجھی' انتہی' فی الحقیقت امام صاحب کی نظر نہایت غامض تھی۔ چنانچہ پیشتر اسکا حال معلوم ہوا اور امام ابو یوسف خود بھی لکھتے ہیں کہ جس مسئلہ میں میرا اور امام صاحب کا قول موافق ہوگیا تو میرے دل میں قوت اور نور پیدا ہوتا تھا۔ اور جس مسئلہ میں اون کے قول کو چھوڑ دیا تو

دل میں ضعف اور شک پہاڑوں کے برابر رہتا تھا۔ خالد بن صبیح رح کہتے ہیں کہ یہ بات میں نے خود ابو یوسف رح سے سنی ہے۔ ذکرہ الامام الموفق فی المناقب" (حقیقۃ الفقہ ج ۲ ص)

جواب اس عذر کی معقولیت ظاہر ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ کہاں تک اہل علم کے ماننے کے قابل ہے۔ ہماری رائے میں یہ عذر ہمارے خیال (ترک تقلید) کی تائید کرتا ہے۔ امام صاحب سے موافقت کی صورت میں دل میں قوت اور نور کا پیدا ہونا بہت صحیح ہے۔ ہم بھی اسکی تائید کرتے ہیں۔ ہمارا مطلب صرف دوسری صورت میں ہے۔ جسکو فاضل مصنف نے اپنی تائید میں جانکر نقل کیا ہے حالانکہ وہ ہماری تائید ہے۔ کیونکہ امام ابو یوسف باوجود پہاڑ جتنا شک محسوس کرنے کے بھی امام صاحب کی قول کو چھوڑتے تھے۔ تو ہمارا دعوٰی ثابت ہوا کہ امام ابو یوسف امام صاحب کے قول کو تنقید کرنے کے بعد قبول کرتے تھے۔ اون کا یہ اصول نہ تھا جو صاحب توضیح نے مقلد کا اصول بتایا ہے۔

"ھذا عندی صحیح لانہ ادی الیہ رأی ابی حنیفہ"

(میرے نزدیک یہ مسئلہ اس لئے صحیح ہے کہ امام ابو حنیفہ رح کی رائے کا نتیجہ ہے)

کسی امام کی بات کو اپنے علم سے تنقید کرنا اور بعد تنقید صحیح کو قبول اور ضعیف کو ترک کرنا یہی تحقیق ہے۔ جسکو دوسرے لفظوں میں ترک تقلید کہا جاتا ہے جسکی بابت ہمارا دعوٰے ہے کہ سلف صالحین ایسا ہی کرتے تھے۔

وفقنا اللہ لاتباعہم

اس سے آگے مولوی صاحب موصوف فرماتے ہیں:۔

"قرائن پر غور کرنے سے اس اختلاف کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ جن مسائل کی تحقیق کے وقت وہ غیر حاضر رہے اور امام صاحب کی تقریر اُن مسائل میں نہیں سُنی۔ اُن میں غور اور اجتہاد کرنے کی ضرورت اون کو ہوئی۔ ورنہ تقریر اگر سُن لیتے۔ تو خود حالت اذعانی اور انکشافی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے بعد اجتہاد کرنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ کیونکہ وہاں یہ قاعدہ ٹھیرا ہؤا تھا۔ کہ جبتک کوئی مسئلہ پورے طور پر

طے ہو جاتا لکھنے کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے بعض مسائل میں ایک ایک مہینے تک مناظرے ہوتے رہتے اور اثنائے مناظرہ میں کبھی ایسا بھی ہوتا تھا۔ کہ امام صاحب اپنے قول سے رجوع کر جاتے تھے مگر آخری تقریر جس پر فیصلہ کا انحصار تھا ایسی ہوا کرتی تھی کہ اس کے مقابلہ میں کوئی سر نہ اٹھا سکتا بلکہ سب کے دلوں میں ایک انبساطی کیفیت پیدا ہوتی۔ جس سے بے اختیار نعرہ اللہ اکبر بلند ہوتا تھا"

(۲ ، ، ص)

یہ تقریر بتمام بھی ہمارے مدعا (ترکِ تقلید) کے کسی طرح خلاف نہیں۔ کیونکہ ایک ایک مہینہ تک گفتگو کا جاری رہنا صاف بتا رہا ہے کہ شاگردانِ باصفا استاد کے محض قول پر سر نہ جھکاتے بلکہ باقاعدہ دلائل سنتے۔ اور پیش کرتے تھے۔ مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی کتاب سیرۃ النعمان سے غالباً مولوی انوار اللہ خان مرحوم نے یہ مضمون اخذ کیا ہے۔ اگر سیرت کی وہ عبارت پوری کی پوری نقل کر دیتے تو کسی کو مجال سخن ہی نہ رہتا۔ مولوی صاحب ممدوح کا کام ہم ہی کئے دیتے ہیں۔ فاضل مصنف سیرۃ النعمان مرحوم لکھتے ہیں :۔

"تدوین (مسائل فقہ جمع کرنے) کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا۔ اگر اُس کے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تو اُسی وقت قلمبند کر لیا جاتا۔ ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں۔ کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی۔ امام صاحب غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جچا تُلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی راؤں پر قائم رہتے۔ اوس وقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کر لئے جاتے۔ اسکا التزام تھا کہ جبتک تمام شرکائے جلسہ جمع ہو لیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے"۔ (سیرۃ النعمان حصہ دوم ص۱۶۱)

اس حوالہ کو دیکھکر کون کہہ سکتا ہے کہ شاگردانِ امام ابوحنیفہ مقلد تھے؟ یہ فقرہ خاص قابل غور ہے :۔

"امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رائوں پر قائم رہتے"
کیا آزادی ہے۔ رضی اللہ عنھم اجمعین ؁

یہ بھی موج پہلی اُس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونیکو تھا باغ گیتی

کیا مقلد کی یہ شان ہے کہ امام کے فیصلے کو سُنکر پھر اَڑا رہے؟ ہمارے پیشکردہ گذشتہ حوالجات مندرجہ صفحہ (۲۶) کو ملاحظہ فرماویں۔

جناب مولوی انوار اللہ خاں مرحوم نے مسئلہ تقلید کو ایک نئی طرز سے ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ جو قابل دید و شنید ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"تقلید کے معنے یہ ہیں کہ کسی شخص کو معتبر سمجھکر اوس کے قول و فعل کی پیروی بغیر طلب دلیل کی جاوے۔ تقلید انسان کی فطرتی صنعت ہے۔ اور تمام کمالات کی تحصیل کا مبداء بھی یہی صفت ہے۔ جس انسان میں یہ صفت کمی کیساتھ ہوگی۔ اُس کے کمالات میں نقص ضرور ہوگا۔ دیکھئے جب لڑکا کسی قدر سمجھنا شروع کرتا ہے تو ایک ایک چیز کا نام پوچھتا ہے اور اس کے ماں باپ یا اور مربی جو کچھ بتلاتے ہیں اسکو تقلیداً مان لیتا ہے اگر اُس میں تقلید کا مادہ نہ ہوتا تو حیوان ناطق ہی بننے سے محروم رہجاتا۔ اور سوائے غائیں غائیں کرنے کے کوئی بات نہ کرسکتا۔ اسیطرح جب استاد کے پاس جاتا ہے۔ تو ہر ایک مسئلہ میں تقلید کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ تمام علوم سے محروم رہ جائے پھر دین میں بھی تقلید کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرمادیں۔ اسکو قبول کرلو جس کا مطلب یہ ہوا کہ چون وچرا کی اجازت نہیں۔ صرف آپکے ارشاد کو بلا دلیل مان لیا کرو مثلاً نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کی نماز دو رکعت ہے تو کسی کو یہ پوچھنے کا حق نہیں کہ دو رکعت مقرر ہونے کی کیا وجہ اور قرآن میں کہیں اس کا ذکر بھی ہے یا نہیں"؟ (حقیقت الفقہ حصہ دوم ص۵)

یہ حوالہ دراصل دو دلیلوں پر مشتمل ہے (الف) دلیل فطری (ب) دلیل شرعی۔

فطری دلیل تو یہ ہے کہ بچہ اپنے ماں باپ کی تقلید کرتا ہے۔ شرعی دلیل یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں نبی کی اطاعت کرنی تقلید ہے۔

اگر مولوی صاحب سے ہمیں نیاز حاصل ہوتا تو ممدوح کی تصنیف کا رنگ کچھ اور ہوتا۔ اب تو اون کے انتقال سے۔

عادت عواد بیننا وخطوب! (رحمہ اللہ)

مرحوم سے غلطی اس لئے ہوئی کہ آپ نے تقلید کی تقسیم نہیں کی، جو یہ ہے۔

تقلید دو قسم پر ہے **عرفی** اور **شرعی**۔ ان دونوں کی تعریف قریب قریب ایک ایک ہی ہے۔ صرف ایک لفظ کا فرق ہے۔

تقلید عرفی: (بقول مولوی صاحب مرحوم) "کسی شخص کو معتبر سمجھکر (دنیاوی امور میں) اوس کے قول، و فعل کی پیروی بغیر طلب دلیل کی جائے"

تقلید شرعی: (بقول مولوی صاحب مرحوم) "کسی شخص کو معتبر سمجھکر (مسائل شرعیہ میں) اوس کے قول و فعل کی، پیروی بغیر طلب دلیل کی جائے"

اس تعریف کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ شیر خوار بچہ کی حیثیت کیا ہے۔ اور اس کی تقلید کس قسم کی ہے۔ کچھ شک نہیں کہ بچے کی حیثیت ابتدائی ہے جس میں وہ دلیل پوچھنے کی قابلیت ہی نہیں رکھتا۔ اس لئے اوس کی خاموشی ماں باپ پر اعتماد کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی ناقابلیت کی وجہ سے دلیل نہیں پوچھتا۔ لیکن جونہی اُس میں قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ وہ اون الفاظ کی جو ماں باپ سے اُس نے بے دلیل سیکھے تھے۔ ارد گرد کے دلائل سے اون کی تصحیح کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑا ہو کر مردانہ اور زنانہ محاورات میں تمیز کرتا ہے۔ اور اپنی حسب حیثیت اختیار کر کے دوسرے کو چھوڑ دیتا ہے۔ یعنی اگر لڑکا ہے تو مردانہ محاورات بولتا ہے لڑکی ہے تو زنانہ محاورات سے کام لیتی ہے۔ ایسے امور (زبان دانی) کے لئے جس دلیل کی ضرورت ہے بچہ اس سے کام لیکر درجہ فصاحت و بلاغت

+ ہم دونوں میں بہت سے موانع اور حجاب آگئے ہیں (عفی اللہ عنا)

تک پہونچتا ہے۔ ہاں جو اس دلیل سے کام نہیں لیتے۔ بے شک وہ مقلد رہتے ہیں۔ اونہی کو شیخ سعدی مرحوم فرماتے ہیں ؎

اے بدکان وخانہ درگردی !
ہرگز اے خام آدمی نشوی

مولوی صاحب مرحوم زندہ ہوتے تو ہم ان کی خدمت میں عرض کرتے کہ بالغوں کو نابالغوں کی ریس کرنا زیبا نہیں (فافہم)

بغور دیکھیں تو عرفی تقلید جسکو مولوی صاحب موصوف نے شرعی تقلید کی دلیل میں پیش کیا ہے۔ ایک تو نابالغی بلکہ شیر خواری کا فعل ہے۔ جس کو بے سمجھی کا زمانہ کہتے ہیں۔ اسی لئے علماء اصول نے کہا ہے۔

انما التقلید وظیفۃ الجاهل

(تقلید کرنا بے علم کا کام ہے)

دوم یہ تقلید عرفی ہے۔ اس کو شرعی تقلید سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک حسب ضرورت (ضروری) فعل ہے۔ کیونکہ شیر خوار بچہ اوس وقت اس سے زیادہ کر ہی نہیں سکتا۔ اس سے اگر تقلید شرعی کا ثبوت کیا جائے تو یہ اس کی مثال ہوگی۔ جو کوئی کہے کہ حضرت آدم عؑ کے زمانہ میں بوجہ ضرورت بھائی بہن کا نکاح جائز تھا تو اب بھی ہونا چاہیئے۔ ایسے مستدل (دلیل باز) صاحب کو بالفاظ علماء اصول کہا جائیگا۔

الضرورۃ تتقدر بقدرها

(ضرورت کا حکم اپنے اندازہ پر رہتا ہے)

ع تو آشنائے حقیقت نۂ خطا اینجاست۔

دوسری دلیل ممدوح نے جو بصورت شرعی بتائی ہے وہ بھی تقلید نہیں کیونکہ صاحب الہام نبی کے حکم کی دلیل نبی کا منصب نبوت ہے۔ اسی لئے ہم پہلے صفحہ ۲ پر بتا آئے ہیں کہ خدا ورسول کا قول منتہاء بحث ہے۔ کیونکہ

وہ خود اپنے اندر دلیل رکھتا ہے۔ علماء منطق ایسے احکام کو کہا کرتے ہیں۔

قضایا قیاساتہا معہا

یعنی ایسے احکام ہیں کہ ان کے دلائل ان کے اندر ہیں۔ خدا کا فرمودہ اپنے اندر الوہیت کی شان رکھتا ہے تو نبی کا حکم اپنے اندر نبوت کا جلوہ دکھاتا ہے۔ اسی لئے علماء اصول نے لکھا ہے۔

لیس الرجوع الی الرسول بتقلید

(رسول کی طرف رجوع کرنا یعنی نبی کے حکم کو ماننا تقلید نہیں)

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ممدوح کو بھی یہ خیال تھا کہ رسول کی اطاعت تقلید نہیں بلکہ اتباع ہے (اتباع بادلیل پیروی کو کہتے ہیں) اس لئے جناب ممدوح خود ہی لکھتے ہیں:۔

"یہ بحث دوسری ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو تقلید کہتے ہیں یا نہیں مگر صورۃً تقلید ہونے میں کلام نہیں"۔ (حقیقۃ الفقہ حصہ دوم ص۵۲)

بہت خوب! اس کا جواب یہی ہے کہ میت کو سامنے رکھکر جنازہ پڑھنا صورۃً بُت پرستی ہے تو کیا حقیقۃً بھی ہے؟ (جائے غور ہے؟) فافہم وتدبر۔

اس دعوے کی تیسری دلیل مولوی صاحب موصوف نے یہ دی ہے جو فرماتے ہیں:۔

"اسی طرح صحابی نے جب کہدیا کہ انما الاعمال بالنیات مثلاً حدیث ہے تو تابعی کو پوچھنے کا حق نہیں کہ اس کے حدیث ہونے کی کیا دلیل ہے"

(صفحہ مذکور)

یہاں بھی جناب کو وہی غلط فہمی ہوئی ہے۔ صحابی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ہے اسکی دلیل خود اس کی راست بازی راست گوئی ہے۔ ہر ایک قول کی دلیل اس کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ عدالت میں گواہ کا کسی واقعہ کی نسبت بیان

کرنا ایک قول ہے۔ جو حاکم قبول کرتا ہے۔ کیا آپ اس کو تقلید کہینگے؟ ہرگز نہیں کیونکہ گواہ کی راست بازی اور راست گوئی۔ دیانت داری اُس کی صحتِ بیان کی دلیل ہے۔ اسی لئے گواہ پر سوال کر کے اوس کی راست گوئی، راست بازی یا ناراستی کی تحقیق کرنے کی اجازت ہے۔

نوٹ مرحوم مصنف کی کتاب مذکور کے سارے مضامین کی جان صرف اتنی ہے جس کا جواب دیا گیا ہے۔ باقی امام ابو حنیفہ صاحب کی جو تعریف کیگئی۔ ہم بھی (بصورت صحت) اوسمیں انکے ہم زبان ہیں۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

دوسرے صاحب مسئلہ تقلید پر بحث ہوتے ہوئے عرصہ مدید ہو چکا ہے۔ اس لئے حامیان تقلید بھی حسب ضرورت زمانہ پرانے ہتھیاروں سے کام لینے کی بجائے نئے نئے صیقل شدہ سامان سے مسلح ہو کر میدان میں آگئے ہیں جسکی ایک مثال مولوی انوار اللہ مرحوم کو ناظرین دیکھ چکے ہیں۔ دوسری مثال بھی ملاحظہ فرماویں۔

جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (جو زمانہ حال کے بڑی عالم بڑے شیخ طریقت ہیں) فرماتے ہیں:۔

"تقلید شخصی کے وجوب کے لئے نص پیش کرنیکی حاجت نہیں البتہ دو مقدمے ثابت کرنا ضروری ہیں۔ ایک مقدمہ یہ کہ وہ کون کون امور ہیں کہ اس زمانہ میں تقلید شخصی نہ کرنے سے ان میں خلل پڑتا ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ وہ امور مذکورہ واجب ہیں پہلے مقدمہ کا بیان یہ ہے کہ وہ امور یہ ہیں اوّل علم وعمل میں نیت کا خالص دین کیلئے ہونا۔ ثانی خواہش نفسانی پر دین کا غالب رکھنا یعنی خواہش نفسانی کو دین کے تابع بنانا دین کو اسکے تابع نہ بنانا ثالث ایسے امر سے بچنا جس میں اندیشہ قوی اپنے ضرر دین کا ہو۔ رابع اہل حق کے اجماع کی مخالفت نہ کرنا۔ خامس دائرہ احکام شرعیہ سے نہ نکلنا" (رسالہ اقتصاد صفحہ ۲)

جناب کے سارے مقدمات مسلّم ہیں۔ صرف امر رابع کی نسبت اتنی عرض کرنیکی اجازت مطلوب ہے کہ اہل حق کی مخالفت بہوائے نفس نہ کرنی تو مسلّم ہے مگر بدلیل قرآن و حدیث

امر مجبوری ہے پس اس میں تھوڑی سی ترمیم یا اصلاح کے بعد آپکا فرمان ہم سنتے ہیں جو یہ ہے
" رہا یہ کہ تقلید شخصی نہ کرنے سے ان میں خلل پڑتا ہے سو یہ تجربہ و مشاہدہ کے متعلق ہے
اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اس وقت اکثر طبائع میں فساد و غرض پرستی غالب ہے۔ چنانچہ
ظاہر ہے اور احادیث فتن میں اسکی خبر بھی دیگئی ہے جو اہل علم پر مخفی نہیں "

(ایضاً ص۲۶)

بے شک نفس پروری اور غرض پرستی قبیح امر ہے چاہے ترکِ تقلید میں ہو یا تقلید میں۔ جناب کے مشاہدے میں اگر ترکِ تقلید سے کوئی فساد آیا ہو تو کسی کے مشاہدے میں تقلید سے بھی آیا ہوگا چنانچہ اجمیر، پیرانِ کلیر، سرہند، پاک پٹن وغیرہ مقامات میں مقلدین کے لیے افعال دیکھنے میں آ رہے ہیں جنکو آپ اور آپکے ہمخیال مشرکین عرب کے افعال سے کم نہیں جانتے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ جو فساد آپکو ترکِ تقلید میں یا کسی اور کو تقلید میں نظر آیا ہے وہ لازمہ ماہیت تقلید یا ترک تقلید ہے یا عارض منفک ہے۔ بس اس تحقیق کے لئے ہم آپکی تقریر کا آئندہ حصہ پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:-

" پس اگر تقلید شخصی نہ کی جاوے تو تین صورتیں پیش آئینگی۔ ایک یہ کہ بعضے اپنے کو مجتہد سمجھکر قیاس کرنا شروع کرینگے۔ اور احادیث جواز اجتہاد کو پیش کر کے لکھینگے کہ اسمیں اجتہاد کو کسی جماعت کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ ہم بھی لکھے پڑھے ہیں۔ یا یہ کہ قرآن اور مشکوٰۃ کا ترجمہ ہم نے بھی دیکھا ہے۔ یا کسی عالم سے سنا ہے اور اسکو سمجھ گئے ہیں۔ پھر ہمارا اجتہاد کیوں نہ معتبر ہو۔ جب اجتہاد عام ہوگا تو احکام میں جسقدر تصریف و تحریف پیش آوے تعجب نہیں۔ مثلاً ممکن ہے کہ کوئی شخص کہے کہ مجتہدین سابقین نے جس طرح قوت اجتہادیہ سے بعض نصوص کو معلل سمجھا ہے اور وہ سمجھنا معتبر و مقبول ہوا جیسا مقصد دوم میں مفصل بیان ہو چکا ہے۔ اسی طرح میں حکم وجوب وضو کو کہتا ہوں کہ معلل ہے اور علت اسکی یہ ہے کہ عرب کے اکثر لوگ اونٹ اور بکریاں چرایا کرتے تھے اور انکے ہاتھ پاؤں اکثر چھینٹ میں آلودہ ہو جایا کرتے تھے۔ اور وہی ہاتھ منہ کو لگجاتا تھا اسلئے انکو حکم وضو کا ہوا تھا کہ یہ سب اعضا پاک صاف ہو جائیں اور اسکا قرینہ یہ ہے کہ

وضو میں وہی اعضاء دہوئے جاتے ہیں۔ جو اکثر اوقات کھلے رہتے ہیں۔ اور ہم چونکہ روزانہ غسل کرتے ہیں۔ محفوظ مکانوں میں آرام سے بیٹھے رہتے ہیں۔ ہمارا بدن خود پاک صاف رہتا ہے۔ اس لئے ہم پر وضو واجب نہیں۔ بلا وضو نماز پڑہنا جائز ہے حالانکہ یہ سمجہہ لینا کہ کون حکم معلل ہے علت کے ساتھ اور کون حکم تعبدی یعنی غیر معلّل ہے۔ یہ حصہ خاص ائمہ مقبولین ہی کا ہو چکا ہے۔ اس وقت ان کے خلاف کسی کا دخل دینا محض باطل ہے یا مثلاً ممکن ہے کہ کوئی یوں کہے کہ نکاح میں شہود یا اعلان کا وجوب مقصود اصلی نہیں بلکہ معلل ہے اس علّت کے ساتھ کہ اگر زوجین میں اختلاف خصومت ہو تو تحقیق حال میں سہولت ہو۔ پس جہاں اسکا احتمال نہ ہو، وہاں بلا شہود نکاح جائز ہے و نیز ممکن ہے کہ اپنے اجتہاد سے احکام منسوخہ بالاجماع کے غیر منسوخ ہونیکا دعویٰ کرے مثلاً متعہ کو جائز کہنے لگے چنانچہ ان تینوں مثالوں کا وقوع سنا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان اقوال میں کس درجہ تحریف احکام و مخالفت اجماع اُمت مرحومہ ہے جسمیں ترک ہو امر رابع کا امور خمسہ مذکورہ سے (یعنی اجماع کا خلاف)" (ص ۲۶)

ہمارے خیال میں یہ کوئی ایسی خرابی نہیں کیونکہ ایسے لوگ جنکا فرضی وجود آپکو خائف کر رہا ہے بالکل تھوڑی ہی توجہ سے خاموش ہو سکتے ہیں آپ انکو کہہ سکتے ہیں کہ جن اصول کی بنا پر آپ قیاس کرتے ہیں اون اصول میں یہ صاف لکھا ہے کہ نص صریح کے مقابل قیاس کرنا جائز نہیں جبکہ نص صریح ہے کہ پاخانہ اور پیشاب و انزال وغیرہ سے

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (پ ۵ ع ۴)

وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اس کے مقابلہ میں تمہارا ڈہکوسلا کیا وقعت رکھتا ہے!!

ایسے لوگ بقول آپکے ترجمہ قرآن اور مشکوٰۃ چونکہ پڑہے ہونگے اون کو آیت یا حدیث مشکوٰۃ دکھا کر خاموش کرا دینا کوئی مشکل نہیں۔ ایسا ہی حرمت متعہ کی بابت انکو حدیث دکھا دینا کونسا مشکل کام ہے آپ ایسے لوگوں کو ہمارے پاس بھیج دیا کریں۔

ہاں اسکے مقابلہ میں تقلیدی فساد بھی عرض کیا جاتا ہے جناب کی پیش کردہ

صورت تو شاذ و نادر امکانی ہے مگر ہماری پیش کردہ صورت واقعی ہے۔ کیونکہ آجکل طبائع عموماً اوس کام کی طرف مائل ہیں جو اس صورت میں مذکور ہے۔

اسمیں تو شک نہیں کہ مسئلہ تقلید کا مفاد یہ ہے کہ یفتی بقول الامام علی الاطلاق (درمختار جلد اول صفحہ) یعنی ہمیشہ امام ابو حنیفہ صاحبؒ کے قول پر فتوے ہونا چاہیئے مقلد نے یہ سن لیا کہ سوائے امام صاحب کے میں کسی کا مقلد نہیں، اسلئے میں حنفی کہلاتا ہوں۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی سن لیا۔ یا ہدایہ میں دیکھ لیا کہ جس امام کی میں تقلید کر رہا ہوں اوسکے نزدیک "شہد انجیر، گیہوں، اور جَو کی شراب حلال ہے بشرطیکہ قوت حاصل کرنے کو پیئے۔ کھیل کود کے لئے نہیں" (ہدایہ کتاب الاشربہ) بغرض قوتِ جسمانی نوش جان کرنا جائز ہے تو پھر کون ہے جو اس کو اس پسندیدہ عیش سے روک سکے۔ سچ ہے ع چھٹتی نہیں یہ کافر منہ سے لگی ہوئی۔

جناب موصوف ترکِ تقلید کی دوسری خرابی بیان فرماتے ہیں:۔

"دوسری صورت یہ کہ اجتہاد کو مطلقاً ناجائز سمجھکر نہ خود اجتہاد کرینگے نہ کسی کی اجتہاد پر عمل کرینگے۔ صرف ظاہر حدیث پر عمل کرینگے۔ سو اس میں ایک خرابی تو یہ ہوگی کہ جو احکام نصوص صریحہ میں مسکوت عنہ ہیں۔ انہیں اپنے یا غیر کے اجتہاد پر تو اسلئے عمل نہیں کر سکتے کہ اس کو ناجائز سمجھتے ہیں اور صراحتہً وہ حکم نصوص میں مذکور نہیں پس بجز اسکے کو کچھ بھی نہ کریں اور ترکِ عمل کر کے تعطل و بطالت کو اختیار کریں اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہ ترک ہے امر خامس کا امور مذکورہ میں سے (یعنی دائرہ احکام شرعیہ سے نہ نکلنا)" (صفحہ ۲۹)

اس خرابی کا جواب یہ ہے کہ ترکِ تقلید اور عدم جواز اجتہاد میں تلازم نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ غیر مقلدین با وجود ترکِ تقلید کے ہر ایک مجتہد کا صحیح اجتہاد قبول کرتے ہیں اور حسب موقع بپابندی اصول اجتہاد خود بھی استنباط مسائل کرتے ہیں اور اگر کوئی ایسا ہی منکر قیاس ہو جسکا تصور آپکو ہے تو ایسے لوگوں سے اتنا خوف زدہ آپ کیوں ہوتے ہیں۔ آخر پہلے زمانوں میں بھی تو ایسے لوگ تھے جنکو داؤد ظاہری کے اتباع کہا

جاتا ہے۔ جنکے اقوال تفسیر کبیر وغیرہ میں بھی بکثرت ملتے ہیں سو اگر اس گروہ کا کوئی فرد آجکل بھی ہو تو وہ آپکو کہہ سکتا ہے کہ آپنے جو خرابی بتائی ہے کہ ترکِ تقلید سے دائرہ احکام شرعیہ سے نکل جانا لازم آئیگا جناب من! آپنے جو دائرہ کھینچا ہو وہ شرعی دائرہ نہیں بلکہ شرعی دائرہ وہ ہے جو خدا کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے کھینچا ہے یعنی احکام شرعیہ بتا کر فرمایا ہے ذرونی ما ترکتکم (بخاری) (جبتک میں تم کو کوئی حکم نہ دوں تم خواہ مخواہ کرید نہ کیا کرو) اس حدیث کے مطابق جو حکم قرآن یا حدیث میں نہیں ہو وہ مسئلہ شرعی ہی نہیں پس دائرۂ شرعیہ سے وہ حکم باہر ہے، ہم باہر نہیں۔ ہمارے خیال میں ایسے لوگوں کو خاموش کرانا آپکو بہت مشکل ہوگا ایسے لوگ آپ سے شیخ سعدیؒ کا قول پیش کر کے کہہ سکتے ہیں ؎

آنکس کہ بقرآن و خبر زو نرہی
اینست جوابش کہ جوابش ندہی

ترکِ تقلید کی تیسری صورتِ فساد آپ فرماتے ہیں :-

"تیسری صورت یہ کہ نہ خود اجتہاد کریں نہ ہر جگہ ظاہر حدیث پر عمل کریں بلکہ مسائل مشکلہ میں ائمہ کی بلا تعیین تقلید کریں۔ کبھی ایک مجتہد کے فتوٰی پر عمل کر لیا کبھی دوسرے کے فتوے کو لے لیا سو اس میں بعض حالتوں میں تو اجماع کی مخالفت لازم آئیگی مثلاً ایک شخص نے وضو کیا پھر خون نکلوایا جس سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کہا کہ میں امام شافعیؒ کا فتوے لیتا ہوں کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کے بعد عورت کو شہوت سے ہاتھ لگایا جس سے امام شافعیؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کہا کہ اس میں امام ابو حنیفہؒ کا فتوٰے لیتا ہوں کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور بلا تجدید وضو نماز پڑھ لی۔ چونکہ اس شخص کا وضو بالاجماع ٹوٹ چکا ہے گو سبب مختلف ہو اس لئے سب کے نزدیک اس کی نماز باطل ہوئی۔ پس اس میں ترک ہوا امر رابع کا امور مذکورہ میں سے (اجماع اہل حق کی مخالفت)" (صـ۲۹)

ہمیں شبہ ہوتا ہے کہ جنابنے ترکِ تقلید اور غیر مقلد کی ماہیت پر غور نہیں فرمایا۔ فرمایا ہوتا

تو یہ صورت بلکہ تینوں صورتیں پیش نہ کرتے۔ جناب من! غیر مقلد کسی فعل کو حکم شرعی جب کہتا ہے کہ اوسپر امام الائمہ امام اعظم (صلے اللہ علیہ وسلم) کا قول یا فعل ملتا ہو۔ اُسے کیا غرض کہ وہ یُوں کہے کہ فلاں امام کے مذہب میں خون سے وضو نہیں ٹوٹتا اور فلان کے نزدیک فلاں فعل سے ٹوٹتا ہے وہ تو کسی کی پناہ میں نہیں جاتا بجز اُس پناہ عظیم کے جو ساری دنیا کی پناہ ہے (فداہ ارواحنا علیہ افضل الصلوۃ والتحیۃ و السلام) اسلئے یہ صورت اُن لوگوں کی ہے جو تقلید کے قائل ہیں منکرین تقلید ایسا نہیں کیا کرتے پس اس امر رابع کے متعلق ہماری ترمیم کو سامنے رکھکر صورت فساد پیدا کیجئے اور جواب لیجئے!

اس سے آگے آپ فرماتے ہیں:-

"بعض حالتوں میں گو مخالفت اجماع کے لازم نہ آویگی لیکن بوجہ غلبہ غرض پرستی کے اسکا نفس مسائل مختلفہ میں اُسی قول کو لیگا جو اُسکی خواہش نفسانی کے موافق ہو اور اسمیں غرض دنیوی حاصل ہوتی ہو۔ پس اُس قول کو دین سمجھکر نہ لیگا بلکہ خاص غرض یہی ہوگی کہ اسمیں مطلب نکلے تو یہ شخص ہمیشہ دین کو تابع خواہش نفسانی کے بنائے رہیگا خواہش نفسانی کو تابع دین کی نہ کریگا اور اس میں ترک ہے امر ثانی کا امور مذکورہ میں سے اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی نیت عمل میں اور تحقیق مسئلہ میں یہی ہوگی کہ حظ نفس اور غرض دنیوی حاصل ہو۔ اگر ایک امام کا قول اسکی مصلحت کے موافق نہوگا دوسرے کا تلاش کرلیگا۔ غرض علم دین اور عمل دین دونوں میں نیت اسکی خالص اور طلب رضائے حق نہ ہوگی اور اسمیں ترک ہے امر اول کا امور مذکورہ میں سے، اور جس شخص کا نفس اس آزادی کا خوگر ہوجاویگا بعد چندے اس آزادی کا فروع سے اصول میں پہنچ جانا جو صریح ضرر دین ہے عجیب بعید نہیں بلکہ غالب قریب ہے پس اس اعتبار سے اس بے قیدی کی عادت میں قوی اندیشہ ہوا ضرر دین کا۔ اور یہ ترک ہے امر ثالث کا امور مذکورہ میں سے پس تقریر ہذا سے بحمد اللہ تعالیٰ یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ ترکِ تقلید شخصی سے یہ امور جملہ بلاشبہ خلل پذیر ہوجاتے ہیں" (ص ۳۰)

کسی بدنیت کی بدنیتی کے تو ہم ذمہ دار نہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے اور اس امر کی

تنقیح مشکل ہے کہ فلاں شخص بدنیتی سے ایسا کرتا ہے کسی خاص شخص کو بدنیت قرار دینے سے وہ حدیث شریف مانع ہے جسمیں ارشاد ہے ھلا شققت قلبہ (تم نے اُسکا دل چیر کر دیکھا ہے؟) خاصکر اسلئے کہ ایک واقعہ ہمکو ایسا ملتا ہے کہ جو سراسر نیک نیتی پر مبنی ہے مگر بدنیتوں کو بدگمانی کا موقع دینے کو کافی ہے. وہ واقعہ یہ ہے :-

عن ابی یوسف انہ صلی الجمعۃ مغتسلا من الحمام ثم اخبر بفارۃ میتۃ فی بیر الحمام فقال نا خذ بقول اخواننا من اہل المدینۃ اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا - (رد المحتار مصری جلد اول حکم التقلید والرجوع عنہ ص۵۳)

امام ابو یوسف نے حمام سے نہا کر جمعہ کی نماز پڑھی بعد خبر ملی کہ حمام میں جس کنوئیں سے پانی آتا ہے اوس کنوئیں میں چوہا مرا ہوا پایا گیا ایسی صورت میں پانی ناپاک ہے اور ناپاک پانی سے غسل اور وضو کیسی ہوگا. غسل اور وضو نہوا تو نماز بھی نہوئی. یہ سنکر امام موصوف نے فرمایا آج ہم اہل مدینہ (امام مالک وغیرہ) کے قول پر عمل کر لینگے جو کہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ پانی جب دو قلے[1] ہو تو ناپاک نہیں ہوتا"

(کیا آزادی ہے یا بقول مولانا اشرف علی صاحب غرض پرستی؟)

مولانا! یہ فیصلہ تو علیم قدیر کے ہاتھ سونپیئے کہ کون اخلاص مندی سے عمل کرتا ہے اور کون نفس پروری اور غرض پرستی سے. ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ جو فعل ہمارے سامنے وقوع پذیر ہوا ہے وہ اپنی ظاہری ہیئت سے زمانہ سلف میں نظیر رکھتا ہے یا نہیں؟

معذرت میں خوف کرتا ہوں کہ اپنے موضوع اور التزام سے دور ہو جاؤنگا ورنہ مولانا اشرف علی کو میں ایسے لوگ بکثرت دکھاتا جو باوجود تقلید شخصی بڑی سختی سے کرنے کے ایسے ایسے عقائد رکھتے اور افعال کرتے ہیں جن سے مولانا موصوف شب و روز میں کم سے کم ہزار دفعہ بلکہ کئی ہزار دفعہ پناہ مانگتے ہونگے. تکلیف نہو تو بریلی بدایوں پیلی بھیت وغیرہ مقامات میں تشریف لیجادیں یا وہاں کے علماء کی تصنیفات لطیفہ ملاحظہ فرمائیں.

نظیر زمانہ سابق جس طریق عمل پر مولانا موصوف نے اتنی خرابیاں بتائی ہیں جن کا انسداد اون کے خیال میں بجز تقلید شخصی کے ہو ہی نہیں سکتا اسکی

[1] قریبا چھ من پختہ.

نظیر ہمکو زمانہ سلف صالحین میں ملجائے تو کیا خرابی۔ آئیے ہم ایک گواہ مسلّمہ فریقین کی شہادت پیش کرتے ہیں جو اپنے مضمون میں کسی تشریح یا تفسیر کی محتاج نہوگی۔

استاد الہند حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

اعلم ان الناس کانوا قبل المائۃ الرابعۃ غیر مجمعین علی التقلید الخالص لمذہب معین ۔۔ وکان من خبر العامۃ ۔۔ اذا وقعت لھم واقعۃ استفتوا فیھا ای مفتٍ وجدوا من غیر تعیین مذہب (حجۃ اللہ مصری ج ۱ ص ۱۵۲)

یقیناً جان لو کہ چوتھی صدی سے پہلے کے لوگ ایک مذہب کی تقلید پر جمع نہ تھے (یعنے تقلید شخصی نہ کرتے تھے) عام لوگوں کی یہ حالت تھی کہ جب اونکو کوئی ضرورت پیش آتی وہ جس مفتی کو پاتے بغیر تعیین مذہب کے مسئلہ پوچھ لیتے"

آج اہلحدیث (غیر مقلدین) کا گروہ سلف صالحین کی جس روش پر مسلمانوں کو چلانا چاہتا ہے وہ یہی ہے جو حضرت شاہ صاحب کے کلام سے ثابت ہے۔ اسی پر چلنے سے مسلمانوں سے فرقہ بندیوں کے تفرقے اٹھ سکتے ہیں۔ گو حضرت ممدوح ایک ہی گواہ ہماری اور ہمارے مخاطبین کیلئے کافی ہیں تاہم قانون شہادت سے نصاب شہادت پورا کرنے کو ایک بلکہ دو گواہ اور پیش کرتا ہوں۔ وہ دونوں بھی مسلّمہ فریقین ہیں:۔

علامہ شامی امام ابن الہمام سے نقل کرتے ہیں:۔

انھم کانوا یستفتون مرۃ واحدًا ومرۃ غیرہ غیر ملتزمین مذھبًا معینًا فلو التزم مذھبا معینا کابی حنیفۃ والشافعی فقیل یلزم وقیل لا وقیل مثل من لم یلتزم وھو الغالب علی الظن لعدم ما یوجبہ شرعًا۔

(رد المحتار مصری شرح در مختار ج ۳ باب التعزیر ص ۱۹۶)

"زمانہ سابق میں لوگوں کا طریق عمل تھا کہ وہ ایکدفعہ ایک عالم سے فتوی پوچھتے دوسری دفعہ دوسرے سے ایک ہی مفتی کی تعیین نہ کرتے تھے۔ آجکل کوئی ایک مذہب کو اپنے پر لازم سمجھے جیسے حنفی یا شافعی تو بعض کے نزدیک لازم ہوگا بعض کے نزدیک لازم نہیں ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ اسکا لازم کرنا نہ کرنیوالے کے برابر ہے یہی راجح ہے کیونکہ شریعت میں کوئی حکم نہیں ہے جو تقلید شخصی کو لازم کرے"

علّامہ شامی کی مذکورہ عبارت کا جو مطلب ہے۔ وُہی آجکل کے تارکینِ تقلید کا مذہب ہے، پھر خدا جانے زمانہ سلف میں جس کام کے کرنیسے خرابی پیدا نہوئی آج کیوں ہونے لگی۔

آخری فیصلہ

اخیر میں علّامہ شامی کا ایک اور فیصلہ سُنا کر اِس بحث (تقلید شخصی) کو ہم ختم کرتے ہیں۔ علّامہ مذکور لکھتے ہیں ہ

فتحصل مما ذکرناہ انہ لیس علی الانسان التزام مذہب معین (رد المحتار مصری جلد ۱ صـ۵۳) | ہمارے گذشتہ بیان سے ثابت ہُوا کہ کسی انسان (مسلمان) پر واجب نہیں کہ وہ تقلید شخصی کرے"

"بس یہی اہلحدیث کا دعوٰی ہے"

اظہارِ تعجب

مولانا انوار اللہ مرحوم لکھتے ہیں کہ سب سے اوّل غیر مقلدین خارجی تھے جنہوں نے حضرت علیؓ کی تقلید چھوڑی تھی" (حقیقۃ الفقہ جلد ۲ صـ۱۷) ایسے بیانات سے ہمیں جو حیرت ہوتی ہے اوسکے بیان کرنیکو ہمیں الفاظ نہیں ملتے اِسلئے بہتر ہے کہ مولانا مرحوم کے اتباع کو انہی حوالجات پر توجہ دلانا کافی سمجھیں کہ شامی وغیرہ کو ملاحظہ کریں جن لوگوں کا ذکر شامی نے کیا ہے کیا یہ خارجی تھے؟ جو انکا صحیح مفہوم ہے وُہی آجکل کے تارکین تقلید کا ہے ہاں اتنا عرض کرنا ضروری جانتے ہیں کہ خلیفۂ وقت کا اتباع تقلید نہیں بلکہ وہ اطاعت ہے اور اسکا ترک مثل ترکِ تقلید نہیں بلکہ وہ خروج یا بغاوت ہے، ان دونوں مضمونوں میں بہت فرق ہے، اسکی دلیل مختصر یہ ہے کہ خلیفۂ وقت کی اطاعت کی بابت تو یہانتک حکم ہے کہ "جس نے امیر (خلیفہ) کی تابعداری کی اُس نے میری کی اور جس نے خلیفہ کی بے فرمانی کی اُس نے میری بے فرمانی کی"۔ (بخاری مسلم)

من یطع الامیر فقد اطاعنی
من یعص الامیر فقد عصانی

اِن دونوں میں فرق

وجہ یہ ہے کہ امیر کوئی شرعی حکم ایجاد نہیں کرتا بلکہ احکام شرعیہ کی تعمیل کراتا ہے مثلاً جہاد ایک حکم فرض ہے وہ اسکی تعمیل کرانیکو حکم دیتا ہے۔ زکوٰۃ ایک حکم فرض ہے امیر اسکی تعمیل کرانیکا حکم دینے کو اپنا افسر مقرر کرتا ہے وغیرہ۔ یہ تو ہے امیر یا خلیفہ کی اطاعت کا مطلب۔ اسی لئے ایک ملک میں ایک وقت متعدد خلیفہ نہیں ہوسکتے اور مجتہد تو بے حساب ہو سکتے ہیں۔

مجتہد کی تقلید کے معنے ہیں مسائل شرعیہ میں اسکی اطاعت کرنا مثلاً مجتہد نے کہا کہ نماز

میں مقتدی کو فاتحہ کا پڑھنا فرض یا حرام ہے۔ مقلد کی مجال نہیں کہ اس سے سرتابی کرے خلیفہ اگر ایسا کہے اور ماتحت کی تحقیق اوس کے خلاف ہو تو ماتحت اپنی تحقیق پر عمل کر سکتا ہے خلیفہ کی اطاعت اس میں فرض نہیں صحابہ کرام کی اختلافات خلفاء سے مسائل میں بکثرت ملتی ہیں کہ خلیفۂ وقت کی مخالفت اُس کے سامنے کی جاتی تھی ؎

غلاموں سی ہو جاتے تھے بند آقا ؞ خلیفوں سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا

پس جن لوگوں نے حضرت علیؓ سے خروج کیا وہ خروج عن التقلید تھا بلکہ خروج عن الاطاعۃ تھا۔ ان دونوں میں فرق نہ جاننے سے ساری خرابی پیدا ہوتی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ جو روش سلف صالحین کی تھی وُہی بابرکت اور خیر و فلاح کی تھی اور جو اُن سے بعد پیدا ہوئی وہی موجب فساد اور باعث تفرقہ ہوئی۔ انا للہ ؞

وفقنا اللہ لاتباع السلف الصالحین

تقلید سلفی

شروع میں ہم تقلید کی تعریف بتا آئے ہیں

اخذ القول من غیر معرفۃ دلیلہ

(کسی بات کو اُسکی دلیل جاننے کے بغیر قبول کرنا)

اِس تعریف سے خدا اور رسول کی بات کو ماننا تقلید کی تعریف سے خارج ہے کیونکہ قولِ خدا اور قولِ رسول میں جو اضافت اللہ اور رسول کیطرف ہے یہی اس قول کی دلیل ہے یعنی اس قول کو اسلئے مانا جاتا ہے کہ وہ اللہ اور رسول کا ہے۔ اِس سے زیادہ کسی قول کے ماننے کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے باقی افراد اُمّت میں سے کسی کو یہ رتبہ نصیب نہیں کہ اوس کے قول کی دلیل محض اسکی اضافت کو سمجھا جائے۔

ہمارا اِس رسالہ میں التزام ہے کہ ہم بطور استدلال بحث نہیں کرینگے بلکہ محض واقعات پیش کر دینگے۔ لہٰذا اس دعویٰ پر بھی محض واقعات سلف بیان کئے دیتے ہیں

جن سے ثابت ہو سکے کہ سلف صالحین میں جسطرح تقلید شخصی کا رواج نہ تھا تقلید سلفی کا نشان بھی نہ تھا۔

تعریف تقلید شخصی کی تعریف یہ ہے کہ کسی ایک معین عالم، مجتہد وغیرہ کی ہر بات کو بغیر اسکی دلیل جاننے کے تسلیم کرے۔ اور تقلید سلفی کے معنے ہیں کہ سلف صالحین (سب کی یا ان میں اکثر کی یا ایک جماعت) کی بات کو بغیر جانے دلیل کے واجب الاتباع جانے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی بات ایسی نہ کہے جو سلف میں سے کسی نے نہ کہی ہو۔ اختلاف سلف کی صورت میں اُن اقوال مختلفہ میں سے کسی کو قبول کر لے مگر ان سے الگ بات نہ کہے۔

تقلید کی تعریف میں یہ ضروری کہ اوس بات کی دلیل سے ناواقفی ہو اور اگر دلیل کا علم ہو تو اتباع ہے (ملاحظہ ہو اعلام الموقعین ہندی مصنفہ حافظ ابن القیم رح جلد اول ص ۲۱۵)

اتباع سلف ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم اتباع سلف کے مامور ہیں مگر تقلید سلف کے مامور نہیں۔ تقلید اور اتباع میں بہت فرق ہے۔ تقلید محض قول بلا معرفۃ دلیل کے قبول کرنے کا نام ہے اور اتباع علے وجہ البصیرت قبول کرنیکا نام ہے (ملاحظہ ہو اعلام الموقعین حافظ ابن قیم جلد اول ص ۲۲۵)

اصولی بحث واقعات سلف بتانے سے پہلے بالاختصار اصولی بحث کا بتانا مفید ہو گا۔ جس سے معلوم ہو سکے کہ محدثین کے نزدیک علمی اور اعتقادی صورت میں اقوال سلف کا کیا رتبہ ہے۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:-

قد تقرر عند ائمۃ الاصول وغیرھم عدم حجیۃ اقوال الصحابۃ لاسیما اذا خالفت الثابت عنہ صلے اللہ علیہ وسلم (نیل الاوطار مصری جلد ۸ ص ۳۶۲)	ائمہ اصول وغیرہ کے نزدیک یہ بات محقق ہو چکی ہو کہ اقوال صحابہ شرعی دلیل نہیں خاصکر جب وہ حدیث کے برخلاف ہوں۔ نیل میں کئی ایک جگہ اس مضمون (عدم حجیت اقوال الصحابۃ) کا ذکر ملتا ہے ملاحظہ ہو

جلد ۳ ص ۲۵۷، ۳۵۸۔ صحابہ کے اقوال کو حجیت سے ساقط کرنے کے بعد کسی اور طبقے کے

متعلق حجیت کا خیال نہیں آسکتا۔ تاہم نیل الاوطار جلد ۶ ص۳ کا حوالہ مفید ہوگا جہاں لکھا ہے۔

لاحجۃ فی اقوال التابعین (جلد ۶ ص۳)

تابعین کے اقوال حجت شرعی نہیں۔

متاخرین میں مولانا نواب صدیق حسن خان بھوپالی مرحوم کو خاص امتیاز ہے۔ آپ بھی اقوال صحابہ کی نسبت لکھتے ہیں:۔

اقوال الصحابۃ لا تقوم بھا الحجۃ فضلا عن اقوال من بعدھم (تفسیر فتح البیان مصری ج ۱ ص۱۷۹)

صحابہؓ کے اقوال سے حجت قائم نہیں ہوسکتی تو بعد کے لوگوں کے اقوال سے کیا ہوگی؟

یہی مضمون تفسیر مذکور کے کئی ایک مواقع میں ملتا ہے ملاحظہ ہو جلد ہذا ص۔

اس اصولی بحث کے بعد اب ہم چند مثالیں خلف کی بتاتے ہیں کہ وہ سلف کیساتھ کیا برتاؤ کرتے تھے۔

نوٹ ہمارا اعتقاد ہے کہ سلف کے محض اقوال بلادلیل بھی بمقابلہ محض اقوال خلف کے راجح ہیں لیکن شرعی حجت نہیں۔ بلکہ وہ اقوال شرعی حجت (قرآن و حدیث کی تقویت) کے محتاج ہیں

مثال اوّل مرد۔ عورت کی خلوت صحیحہ (بغیر ملاپ ملاقات) ہوجائے تو اس صورت میں عورت کے مہر میں اختلاف ہے کہ مرد پر کتنا واجب ہے۔ خلفاء راشدین اور بہت سے ائمہ سلف پورا مہر دلاتے ہیں مگر امام شافعی چاروں خلفاء راشدین کے خلاف نصف مہر کے قائل ہیں۔ کیونکہ اون کے نزدیک ظاہر آیت سے نصف ہی ثابت ہے۔ چنانچہ تفسیر فتح البیان کے الفاظ یہ ہیں:۔

واختلفوا فی الخلوۃ ھل تقوم مقام الدخول وتستحق المرءۃ بھا کمال المھر کما تستحقہ بالدخول ام لا فذھب الی الاول مالک والشافعی فی القدیم والکوفیون والخلفاء الراشدین وجمھور اھل العلم ویجب ایضا عندھم العدۃ

علماء خلوت صحیحہ کے حکم میں مختلف ہوئے ہیں۔ کیا وہ ملاپ کے قائم مقام ہے یا نہیں اور عورت اسکی وجہ سے پورے مہر کی مستحق ہوتی ہے یا نہیں۔ امام مالک اور شافعی (پہلے قول میں) اور خلفاء راشدین و جمہور علماء کا میلان پہلے قول یعنی ہاں کیطرف ہے انکے

وقال الشافعی فی الجدید لا یجب الا نصف المهر هو ظاهر الآیۃ (فتح البیان مصری جلد اول صـ ۳۱۳ زیر آیت فنصف ما فرضتم)	نزدیک مہر کامل ملیگی ورعدت بھی واجب ہوگی۔ امام شافعیؒ نئے قول میں لکھتے ہیں نصف مہر ملیگی اور عدت بھی واجب نہوگی اور یہی ظاہر آئت کا حکم ہے"۔

اس مثال میں خلفاء راشدین اور بہت بڑی جماعت کا قول ہوکر بھی امام شافعیؒ نے انکے خلاف فتوے دیا اور ہمارے مکرم نواب صاحب مرحوم بھی خلفاء راشدین وغیرھم کا فتوے چھوڑ کر امام شافعی کیطرف مائل ہوگئے چنانچہ ان کا قول (و هو ظاهر الآیۃ) اس کا قرینہ ہے۔

دوسری مثال لونڈی کی طلاق دو دفعہ ہے اور اُس کی عدت دو حیض ہیں۔ اس مسئلہ میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

لم یعرف بین الصحابۃ خلاف

(جلد دوم مصری برحاشیہ فتح البیان صـ ۹ زیر آئت وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ)

یعنی اس مسئلہ میں صحابہ کرام کے مابین کوئی اختلاف معلوم نہیں"۔ باوجود اسکے حافظ صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

قال بعض السلف بل عدتها کعدۃ الحرۃ لعموم الآیۃ ولان هذا امر جبلی فکان الحرائر والاماء فی هذا سواء حکی هذا القول الشیخ ابو عمرو بن عبد البر عن محمد ابن سیرین و بعض اهل الظاهر (حوالہ مذکور)	بعض سلف (بعد صحابہ) نے کہا ہے کہ لونڈی کی عدت حرہ جتنی ہے۔ بوجہ عموم آئت کی اور بوجہ اسکے کہ یہ ایک پیدائشی امر ہے اسمیں اصیل اور لونڈی دونوں برابر ہیں اس قول کو شیخ ابن عبد البر نے محمد بن سیرین تابعی اور بعض اہل ظاہر سے نقل کیا ہے"۔

باوجودیکہ صحابہ میں اختلاف ثابت نہیں تاہم ابن سیرین تابعی (رضی اللہ عنہ) سب کے خلاف فتوے دیتے ہیں اور اپنے فتوے کی دلیل میں قرآن اور عقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔ گو اون کی بات علماء میں مقبول نہیں ہوئی۔ چنانچہ ابن عبد البر نے اسکی تردید بھی کی ہے لیکن ہمارا مطلب علماء کے فعل سے نہیں بلکہ خود ابن سیرین

کے فعل سے ہے کہ اُنہوں نے اپنے علم کے خلاف صحابہ کی تقلید نہیں کی بلکہ اپنے علم پر اعتماد کیا۔

تیسری مثال آئت قرآنی الا ان یعفون کی تفسیر میں قریباً کل مفسرین سابقین متفق ہیں کہ یہ صیغہ جمع مؤنث ہے اسلئے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :۔

"عورتیں اپنا مہر معاف کردیں یا خاوند جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہو اپنا حق چھوڑ دے تو جائز ہے"۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

خالفهم محمد بن کعب القرضی فقال الا ان یعفون یعنی الرجال وهو قول شاذ لم یتابع علیه (جلد دوم صفحہ ۱۱۹ زیر آیت او یعفو الذی بیدہ عقدة النکاح)

یعنی محمد بن کعب نے ان سب مفسرین کے برخلاف کہا کہ اس سے مراد مرد ہیں اور اس کا یہ قول قابل اتباع نہیں سمجھا گیا"۔

باوجود اتفاق سلف کے ایک متاخر عالم اون سب کے خلاف اظہار رائے کرتا ہو کس بنا پر؟ محض اپنے فہم پر۔ گو اس کا فہم واقع میں یا قوم کے نزدیک غلط ہو لیکن اوس نے اپنے علم کے خلاف سلف کی تقلید نہیں کی۔

چوتھی مثال ہندوستان کے علماء کرام میں قاضی ثناء اللہ مرحوم پانی پتی ایک مشہور عالم ہوئے ہیں۔ آپ تفسیر مظہری میں زیر آیۃ علم آدم الاسماء لکھتے ہیں :۔ "قال اهل التفسیر اسماء الخلائق" (مفسرین نے کہا ہے کہ اسماء سے یہاں مراد ہے سب چیزوں کے نام) پھر اپنا خیال لکھتے ہیں :۔ عندی ان الله تعالیٰ علم آدم الاسماء الالٰھیة کلھا (میرے نزدیک یہ ہے کہ خدا نے حضرت آدم کو اپنے سارے نام سکھائے)

چونکہ یہ قول سلف بلکہ خلف کے بھی خلاف تھا۔ اسلئے آپ اس کے متعلق خود ہی

سوال وجواب لکھتے ہیں جو بہت لطیف ہے۔ فرماتے ہیں:-

فان قیل لم یقل بما قلت احد من المفسرین فهو قول فی القرآن بالرائے و ذلک غیر جائز۔ (مظہری ص۲۳)

اگر کوئی کہے کہ جو تم نے کہا ہے یہ تو پہلے کسی مفسر نے نہیں کہا سو یہ تو تفسیر بالرائے ہے یہ جائز نہیں۔

آپ کے جواب میں لمبی تقریر کر کے خلاصہ کے طور پر لکھا ہے:-

قلت ما مر من اقوال المفسرین لیس شئ منها مرفوعاً ولا مما لا یدرک بالرائے حتی یکون فی معنی المرفوع + وما ذکرت لک کذلک (ص۲۵)

مَیں کہتا ہوں کہ مفسرین کے اقوال جو پہلے گذرے ہیں انہیں کوئی بھی حدیث نبوی نہیں نہ ایسا ہی جو محض رائے سے معلوم نہو سکتا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو مرفوع کے حکم میں ہو سکتا۔ جو مَیں نے کہا ہے وہ بھی ایسا ہی ہے (یعنی ایک قول ہی جیسے وہ قول ہیں)

اللہ اکبر! کیسی حریت ہے۔ صاف جواب دیا کہ مفسرین نے جو کہا ہے وہ اُنکے اقوال ہیں۔ مَیں نے جو کہا یہ بھی ایک قول ہے۔ یہی معنے ہیں امام شافعیؒ کے اس قول کے

"هم رجال ونحن رجال"

(وہ بھی اُمت کے فرد ہیں ہم بھی اُمت کے فرد ہیں)

ع۔ بندے سے خدا کے! ہم بھی تو بندے خدا کے ہیں

آج کوئی شخص یہی جواب دے جو قاضی ثناء اللہ مرحوم پانی پتی نے دیا ہے تو علماء عصر اون پر آوازے کستے ہیں۔ اور وہ اون کے جواب میں کہتا ہے

مستِ مئے الست ہوں تو بدگماں نہو
اے شیخ! میری شورشِ مستانہ دیکھکر

پانچویں مثال

سلف کا قول ہے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمت میں سے افضل خلفاء راشدین ہیں مگر حافظ ابن حزم ان سب سے بعد سب کے خلاف اظہار رائے کرتے ہیں اور حلفیہ کہتے ہیں کہ:-

والذی نقول بہٖ ندین اللہ تعالےٰ علیہ ونقطع علےٰ انہ الحق عند اللہ عزوجل ان فضل الناس بعد الانبیاء علیہم السلام نساء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (ملل والنحل مع شہرستانی مصری جلد ۱ ص۴)	ہمارا وہ خیال جو ہم خدا کے سامنے بھی یقیناً کہہ سکیں یہ ہے کہ بعد انبیاء علیہم السلام کے سب سے افضل آنحضرتؐ کی بیویاں ہیں۔" کس قدر جرأت ہے اور کس قدر آزادی ہے؟

چھٹی مثال مسئلہ صفات میں تمام سلف کا یہ مذہب ہے کہ آیات واحادیث کی تفسیر کو خدا کے سپرد کیا جائے۔ اور کوئی معنے اُن کے نہ کئے جائیں

چنانچہ تفسیر خازن کے الفاظ یہ ہیں:-

للعلماء فی اٰیات الصفات واحادیث الصفات مذھبان احدھما وھو مذھب سلف ھذہ الامۃ واعلام اھل السنت الایمان والتسلیم بما جاء فی اٰیات الصفات + + فتفسیرہ قرأتہ والسکوت علیہ لیس لاحد ان یفسرہ الا اللہ ورسولہ (ج ۱ ص۱۳۹)	صفات باری تعالےٰ میں علماء کے ۲ دو مذہب ہیں۔ ایک مذہب سلف اور بڑے علماء امت کا ہے کہ ان آیات اور احادیث پر بغیر تفسیر کے ایمان لایا جائے۔ ان کی تفسیر ان کی تلاوت ہے اور بس، کسی کو جائز نہیں کہ ان کی تفسیر کرے۔"

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ سلف صالحین کا یہی مذہب تھا جو ذکر ہوا باوجود اس کے متاخرین نے اس مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب ایجاد کیا جسکی وجہ سے مفسرین کو کہنا پڑا کہ اس مسئلہ میں ۲ دو مذہب ہیں۔ حالانکہ سلف میں ایک ہی مذہب تھا۔ دوسرا مذہب متاخرین کا ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن کے الفاظ یہ ہیں:-

المذھب الثانی وھو قول جمہور علماء المتکلمین (حوالہ مذکورہ)	دوسرا مذہب جمہور علماء متکلمین کا ہے۔"

فتح البیان کے الفاظ یہ ہیں:-

الثانی التاویل لها بما یناسب تنزیهه سبحانه وتعالیٰ عندهم وهو قول جمهور علماء المتکلمین واصحاب النظر۔
(جلد اوّل مصری صفحہ ۲۷)

"دوسرا مذہب ان آیات کی تاویل کا ہے۔ جو خدا کی شان کے مناسب ہے۔ یہ قول جمہور متکلمین اور باریک بین مناظرین کا ہے"

امام بیہقی کی کتاب "الاسماء والصفات" دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بہت سے اکابر علماء دوسرے مذہب کے قائل ہوگئے ہیں (صفحہ ۲۹۲ سے) حالانکہ سلف کا مذہب بالاتفاق سکوت ہے پھر یہ کیوں؟ علمی حرّیت۔

ساتویں مثال

آیت قرآنی حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ میں سلف کا قول ہے کہ انسان نے امانت کو اٹھایا۔ مگر خواجہ حسن بصری سب کے خلاف کہتے ہیں اٹھایا نہیں بلکہ خیانت کی۔ چنانچہ اون کا اور سلف کا قول تفسیر معالم التنزیل میں یوں مرقوم ہے:-

عن الحسن انه قال حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ یعنے الکافر والمنافق حملا الامانة ای خانا وقول السلف ماذکرنا۔
(جلد اول صفحہ ۱۸۶)

"حسن بصری نے کہا ہے کہ حمل کے معنے خیانت کے ہیں یعنی کافر اور منافق نے خدا کی امانت میں خیانت کی اور سلف کا قول وہ ہے جو ہم نے (صاحب معالم نے) پہلے ذکر کیا ہے"

آٹھویں مثال
علی طریق الحنفیّہ

سلفِ حنفیہ کا بالاتفاق مذہب ہے کہ اذان، امامت، حج، تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ پر اُجرت لینی جائز نہیں لیکن متاخرین نے ان سب سلف کے خلاف جواز کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ دُرّ مختار میں ہے:-

لا تصح الاجارة لاجل الطاعات مثل الاذان والحج والامامة وتعلیم القرآن والفقه ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والامامة والاذان
(مصری جلد ۵ صفحہ ۳۳ اجارہ فاسد)

"عبادات پر اجارہ (مزدوری لینی) جائز نہیں جیسے اذان۔ حج۔ امامت اور تعلیم قرآن اور تعلیم دینیات کے کام۔ ان پر اجرت لینی جائز نہیں لیکن (مصنف کہتا ہے) آجکل تعلیم قرآن وغیرہ پر اُجرت لینے کا فتویٰ دیا جاتا ہے"

نویں مثال علی طریق الحنفیہ

سلف احناف متفق ہیں کہ میت کے ترکہ کی تقسیم کرتے ہوئے ذوی الفروض میں سے بچا ہوا زوجین پر رد نہ کیا جاوے مگر متاخرین نے اسکے خلاف فتویٰ دیا ہے چنانچہ دُر مختار کے الفاظ یہ ہیں:-

(الا علی الزوجین) فلا یرد علیھا وفی الاشباہ انہ یرد علیھما فی زماننا لفساد بیت المال (مصری جلد ۵ صفحہ ۵۳ باب العول)

خاوند بیوی پر بچا ہوا مال رد نہ کیا جاوے کتاب اشباہ میں ہے کہ آجکل ہمارے زمانہ میں زوجین پر رد نہ کیا جائے۔ کیونکہ بیت المال کا انتظام خراب ہو رہا ہے"۔

دسویں مثال علی طریق الحنفیہ

اداء جمعہ کے لئے احناف کا سلف سے خلف تک یہ مذہب ہے کہ سلطان ہو یا سلطان کا نائب، ضرور شریک ہو (ہدایہ و در مختار وغیرہ) مگر ہندوستان کے سرگروہ احناف مولانا عبد العلی بحر العلوم مرحوم اس فتوائے سلف کے قائل نہیں۔ فرماتے ہیں:-

لم اطلع علی دلیل یفید اشتراط السلطان + وما فی الھدایہ فھذا رائی لا یثبت الاشتراط۔ (ارکان بحر العلوم صفحہ ۱۱۱)

مجھے ایسی کوئی دلیل معلوم نہیں ہوئی جس سے سلطان کا یا اوسکے نائب کا ہونا ثابت ہو۔ جو ہدایہ میں لکھا ہے وہ صرف ایک رائے ہے جس سے شرطیت ثابت نہیں ہوئی"۔

فتلک عشرۃ کاملۃ

اس قسم کی مثالیں جنمیں خلف نے سلف کا صریح خلاف کیا ہے۔ بکثرت ہیں ہم بطور نمونہ اور بطور مثال انہی (عشرہ کاملہ) پر اکتفا کرتے ہیں۔

عذر بارد

ممکن ہے بعض حضرات جلدی میں یہ کہدیں کہ ہم ان مثالوں میں خلف کی بات صحیح نہیں جانتے بلکہ سلف ہی کی بات کو صحیح جانتے ہیں تو ایسے حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ ہم بھی آپ حضرات کو ان مثالوں کی صحت ماننے پر مجبور نہیں کرتے بلکہ ہم اتنا دکھاتے ہیں کہ ان حضرات نے باوجود خلف ہونے کے سلف کی تقلید نہیں کی۔ بلکہ

اپنے علم پر اعتماد کر کے اقوال سلف کو چھوڑ دیا۔ فھذا مرادنا۔

قولِ فیصل

اخیر میں ہم ایک زبردست محدث متکلم۔ فقیہ کا قول نقل کرتے ہیں۔ جو ہر قسم کی تقلید شخصی اور سلفی کے لئے فیصلہ کن ہے۔ ان صاحب سے مراد ہماری سید الاحرار شیخ الاسلام ابن تیمیہ حرانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ نے اس بارے میں عجیب و غریب تقریر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

الجواب. الحمد لله. معنى الاجماع ان تجتمع علماء المسلمين على حكم من الاحكام واذا ثبت اجماع الامة على حكم من الاحكام لم يكن لاحد ان يخرج عن اجماعهم فان الامة لا تجتمع على ضلالة ولكن كثيرا من المسائل يظن بعض الناس فيها اجماعا ولا يكون الامر كذلك بل يكون القول الآخر ارجح في الكتاب والسنة. وأما أقوال بعض الامة كالفقهاء الاربعة وغيرهم فليس حجة لازمة ولا اجماعا باتفاق المسلمين بل قد ثبت عنهم رضي الله عنهم انهم نهوا الناس عن تقليدهم وأمروا اذا رأوا قولا في الكتاب والسنة أقوى من قولهم ان ياخذوا بما دل عليه الكتاب والسنة ويدعوا اقوالهم ولهذا كان الاكابر من اتباع الائمة الاربعة لا يزالون اذا ظهر لهم دلالة

اجماع کے معنی یہ ہیں کہ سب مسلمانوں کے علماء ایک حکم پر متفق ہو جائیں اور جب انکا اتفاق ایک حکم پر ثابت ہو جائے تو کسی کو ان کے اجماع سے نکلنا جائز نہیں کیونکہ ساری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی لیکن بہت سے ایسے مسائل ہیں جنہیں لوگ اجماع سمجھتے ہیں حالانکہ واقعہ میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ دوسرا قول (خلاف اجماع) کتاب و سنت میں راجح ہوتا ہے۔ ہاں بعض علماء اُمت کے اقوال مثلاً ائمہ اربعہ وغیرہ کے۔ سو یہ کسی طرح بھی حجت لازمہ (دلیل شرعی) نہیں اور نہ باتفاقِ مسلمانان اجماع ہے بلکہ اُن ائمہ سے ثابت ہوا ہے کہ انہوں نے خود لوگوں کو اپنی (ائمہ کی) تقلید کرنے سے منع کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ جب کوئی حکم کتاب اللہ اور سنت کا ہمارے حکم کی نسبت قوی پاویں تو قرآن و حدیث کے حکم کو قبول کرلیں اور انکا قول چھوڑ دیں۔ اسی لئے

الکتاب او السنة علی ما یخالف قول
متبوعهم اتبعوا ذلك مثل مسافة
القصر فان تحدیدها بثلاثة ایام او
ستة عشر فرسخا لما کان قولا
ضعیفا کان طائفة من العلماء من
اصحاب احمد وغیرهم تری قصر الصلوٰة
فی السفر الذی هو دون ذلك کالسفر
من مکة الی عرفة فانه قد ثبت ان
اهل مکة قصروا مع النبی صلی الله علیه
وسلم بمنی وعرفة۔ وکذلك طائفة
من اصحاب مالك وابی حنیفة و
احمد قالوا ان جمع الطلاق الثلاث
محرم بدعة لان الکتاب والسنة عندهم
انما یدلان علی ذلك وخالفوا
أئمتهم وطائفة من اصحٰب مالك
والشافعی وابی حنیفة رأوا اغسل
الدهن النجس وهو خلاف قول الأئمة
الاربعة وطائفة من اصحٰب ابی حنیفة
رأوا تحلیف الناس بالطلاق وهو
خلاف الأئمة الاربعة۔ بل ذکر ابن
عبد البر أن الاجماع منعقد علی
خلافه + فاذا تنازع المسلمون
فی مسئلة وجب رد ما تنازعوا فیه

ائمہ اربعہ کے بڑے بڑے اتباع کا ہمیشہ
سے یہی طریق رہا ہے کہ جب کبھی اُن کو
کتاب وسنت سے کوئی دلیل اپنے امام
کے خلاف ملتی۔ تو وہ اس کی پیروی
کرتے مثلاً مسافت قصر صلوٰۃ کا مسئلہ جسکی
تحدید تین دنوں یا سولہ فرسخوں سے کیگئی
ہے چونکہ یہ قول ضعیف تھا امام احمد وغیرہ
کے اتباع میں سے ایک جماعت نے اس
سے کم سفر میں بھی قصر کو جائز سمجھا۔ مثلاً
مکہ سے عرفہ تک۔ کیونکہ ثابت ہوا ہے کہ
مکہ والوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے ساتھ منٰی اور عرفہ میں قصر کیا تھا اسیطرح
امام مالک امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے
اتباع میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تین
طلاقوں کو یکجا جمع کرنا حرام اور بدعت ہے کیونکہ قرآن
وحدیث یہی بتاتے ہیں اور وہ اس مسئلہ میں اپنے
اماموں کے خلاف چلے ہیں اور امام مالک شافعی
اور امام ابی حنیفہ کے اتباع میں سے ایک جماعت نے
ناپاک گھی اور تیل کو دہو لینا بھی جائز سمجھا ہے
حالانکہ وہ ائمہ اربعہ کے خلاف ہے اور امام ابو حنیفہ کے
اتباع میں سے ایک جماعت نے طلاق کی قسم دینے کو
جائز جانا ہے حالانکہ وہ ائمہ اربعہ کے خلاف ہے
بلکہ ابن عبد البر نے ذکر کیا ہے کہ اسکے برخلاف

اجماع منعقد ہو چکا ہے پس حاصل کلام یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے مابین کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو واجب ہے کہ اسکو خدا اور رسول کی طرف لیجائیں پھر جس قول پر قرآن و حدیث دلالت کریں اسی کا اِتباع کرنا واجب ہے۔"	الی اللہ والرسول فای القولین دل علیہ الکتاب والسنۃ وجب اتباعہ" (فتاوی ابن تیمیہ جلد اول ص۲۸۶ مطبوعہ کردستان علمیہ مصر)

یہ تقریر کیسی صاف ہے اور تقلید (بہر دو نوع شخصی اور سلفی) کی کیسی واضح تردید کرتی ہے۔

تتمہ

بحثِ تقلید پر مختصر تنقید!

مسئلہ تقلید کا اثبات جیسا کچھ مشکل ہے عیاں ہے، جزو لایتجزیٰ کا اثبات کرنا مشکل ہے مگر وجوب تقلید کا اثبات مشکل تر ہے۔ کیونکہ اسکی تعریف میں "عدم علم" شامل ہے۔ اسلئے اسکا اثبات کرنا گویا علم سے عدم علم کا اثبات کرنا ہے۔ خیر یہ تو اس کی اندرونی مشکلات ہیں۔ بیرونی ہئیت کذائی میں ایک بڑی سخت مشکل ہے کہ مدعی تقلید جب کسی شرعی دلیل سے استدلال کرے۔ تو اُس پر سوال ہو سکتا ہے کہ آپ بحیثیت مقلد کے مستدل ہیں یا بحیثیت غیر مقلد۔ مقلد ہیں تو آپکا فرض ہے کہ مسئلہ تقلید پر اپنے امام کا قول نقل کریں۔ کیونکہ مقلد بحیثیت مقلد پابند ہے کہ اپنے امام کا قول پیش کرے۔ چنانچہ صاحب "توضیح" مقلد کا طرز استدلال لکھتے ہیں کہ:۔

مقلد یوں کہو کہ یہ حکم میرے نزدیک صحیح ہے کیونکہ میرے امام (ابو حنیفہ) کی یہی رائے ہے۔"	فالمقلد یقول ھذا الحکم واقع عندی لانہ ادی الیہ رای ابی حنیفۃ (ص۲)

مسلم الثبوت میں ہے:۔

اما المقلد فمستندہٗ قول مجتہدہٖ لا ظنہ (ص۳۶۴)	یعنی مقلد کا اعتماد صرف اپنے مجتہد کے قول پر ہونا چاہئیے اوس کے اپنے ظن پر نہیں۔"

پس مستدل بحیثیت مقلد مجبور ہے کہ اپنے استدلال میں صرف امام کا قول پیش کرے جس کا مضمون ہو کہ ایک مجتہد کی تقلید کرنی چاہئیے۔

اور اگر وہ مستدل بحیثیت غیر مقلد استدلال کرتا ہے تو اسکی حیثیت اور عمل آپس میں متضاد ہیں کیونکہ حیثیت عدم تقلید ہے اور فعل تقلید۔ اس کی مثال بعینہ یہ ہے۔ کہ کوئی شخص کہے کہ میں بحیثیت منکر اسلام ہونے کے اسلامی نماز فرض جانتا ہوں۔ جیسے وہ ناقابل قبول بات ہے ویسے ہی یہ۔

مختصر یہ کہ بپابندی علم اصول اور معقول اثبات وجوب تقلید مستدل کے حق میں سخت مشکل بلکہ محال ہے۔ (فافہم و تدبر)

ضمیمۂ تقلید شخصی اور سلفی

تقلید کی تعریفیں دراصل دو ہیں۔ ایک تو وہ جو ہم نے اس کتاب کے ص۱۳ پر اختیار کی ہے، یہی علماء حنفیہ مولانا اشرف علی اور مولنا انوار اللہ مرحوم نے بیان کی ہے۔ اور یہ اوضح ہے۔ دوم تعریف وہ ہے جو دیگر علماء اصولیین نے کی ہے، چنانچہ صاحب مسلم الثبوت نے اِن لفظوں میں تعریف کی ہے اھ

التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ کاخذ العامی والمجتہد من مثلہ (ص۲۷۹)	کسی غیر کے قول پر بے دلیل عمل کرنا تقلید ہے جیسے کسی بے علم کا مجتہد کے قول پر اور کسی مجتہد کا اپنے جیسے مجتہد کے قول پر عمل کرنا۔

یہی تعریف امام غزالی رح نے مستصفی میں اور علامہ ابن الحاجب نے مختصر الاصول میں کی ہے۔ اس تعریف کے مطابق مطلع بالکل صاف اور روشن ہے کہ تقلید کی ماہیت میں جب داخل ہے کہ اس پر دلیل نہیں تو پھر وہ شرعی مسئلہ کیسے ہوا۔ کسی علم کا خاصکر شرعی علم کا مسئلہ ہونا تو اسپر موقوف ہے،

کہ شرع میں اوس پر دلیل ہو، کیا کوئی اہل علم اس بات کا سُننا گوارا کر سکتا ہے کہ کسی امر پر حکم تو شرعی لگائے مگر خود ہی قائل ہو کہ اس پر دلیل شرعی کوئی نہیں بلکہ اوس حکم کی تعریف میں داخل ہو کہ یہ حکم شرعی ایسا ہے کہ اس پر دلیل شرعی نہیں۔

ملا حسن (شرح سلم) میں جو صداقت کلام کی بحث میں ایک مثال آتی ہے۔

کلامی ھذا کاذب (میرا یہ کلام جھوٹا ہے)

اسکی تصحیح جتنی مشکل پڑتی ہے۔ تقلید کو اس تعریف کے مطابق شرعی مسئلہ بنانا اس سے بھی کہیں بڑھکر مشکل ہے۔ کیونکہ اس کا موضوع اور محمول باہمی متضاد بلکہ متناقض ہیں کیونکہ اسمیں صورت قضیہ یوں ہوگی۔

التقلید مسئلۃ شرعیۃ (یعنی تقلید مسئلہ شرعی ہے)

چونکہ کسی مسئلہ کا شرعی ہونا خطاب شرع پر موقوف ہے چنانچہ "توضیح تلویح" میں ہے "ثم الشرعی ای المتوقف علی الشرع" یعنی شرعی مسئلہ شرع پر موقوف ہے۔ محمول تو شرع پر موقوف مگر موضوع یعنی تقلید ایک ایسا امر ہے کہ اوسپر ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل نہیں تو وہ شرعی نہ ہوا۔ لہذا یہ قضیہ مذکورہ "التقلید مسئلۃ شرعیۃ" اس حکم میں ہوا۔

المسئلۃ الغیر الشرعیۃ شرعیۃ (دھوکا تری)

مقامِ حیرت

آجکل بعض علماء متبحرین جن کے علم و فضل کے ہم خود قائل ہیں جو واقعی مسائل شرعیہ میں رائے دینے اور امور غامضہ تک پہونچنے کی قابلیت رکھتے ہیں بلکہ پہونچتے ہیں۔ مگر وہ خود یا اون کے احباب مسئلہ تقلید کی ماتحت وہ اپنا نام مقلّد تجویز کرتے ہیں تو ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ یہ حضرات اتنا تنزّل کیوں گوارا کرتے ہیں۔ علم اصول میں مقلّد کو جو درجہ دیا گیا ہے وہ ان حضرات سے مخفی نہیں۔ ہمارے خیال میں ان اصحاب کو اوس درجے کے مطابق الفاظ سے یاد کیا جائے۔ تو ان کو بہت ہی ناگوار ہوگا۔ مگر چونکہ یہ حضرات خود وہی درجہ اختیار کرتے ہیں۔ لہذا ہم بھی لاچار اوس درجہ کو کتب اصول سے ظاہر کر کے ان اصحاب کو صرف اتنا جتاتے ہیں کہ خدا نے جب آپکو بلند مقام دیا ہے تو آپ تنزّل میں نہ آئیں۔ بہرحال علم اصول کی معتبر کتاب "توضیح" میں علم فقہ

کی تعریف یوں کی ہے کہ:۔

الفقه معرفة النفس مالها وما علیها (عملا) فالمعرفة ادراک الجزئیات عن دلیل فخرج التقلید (کشوری ص۱۱)

جتنے اعمال انسان کے ذمہ ہیں ان کو دلیل سے جاننا یہ فقہ ہے۔ پھر کہا ہے کہ یہ معرفت چونکہ مقلد کو حاصل نہیں ہوتی اسلئے تقلید فقہ سے خارج ہے"

چونکہ تقلید فقہ سے خارج ہے تو اسکا لازمی نتیجہ ہے کہ مقلد فقیہ نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ اسکو علم مسائل بالدلیل حاصل نہیں۔

عذر جواب غالباً جلدی میں کہا جائیگا کہ ہمارے علماء، تو ہر فقہی مسئلہ کو قرآن وحدیث سے ثابت کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں۔ پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ مقلد کو دلیل کا علم نہیں ہوتا۔

جواب یہ ہے کہ "چشم ما روشن دلِ ما شاد" ہم بھی قائل ہیں کہ آپکے بعض علماء مقلدین بیشک علم وفضل میں خاص امتیاز رکھتے ہیں اسی لئے تو ہم اون کو مقلد کہنا پسند نہیں کرتے۔ مگر کیا کریں وہ خود مقلد بنکر فقیہ سے غیر فقیہ کے درجے میں آتے ہیں۔

دوسری تحریر آجکل ہم کو کہا جاتا ہے کہ چونکہ تقلید پر اجماع ہے۔ اس لئے تقلید ضرور کرنی چاہیئے۔ اس دلیل کے دو مقدمے ہیں۔ (۱) اجماع حجت شرعی ہے (بہت خوب) (۲) آجکل اور آج سے پہلے کے مسلمانوں کے سرگروہ علماء کا تقلید پر اجماع ہے۔ پس تقلید نہ کرنے والے اجماع سے باہر ہونے کی وجہ سے حدیث مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّار کے ماتحت ہے۔

جواب جناب ہم تو وہی بات قابل قدر جانتے ہیں، جو علم اصول پر مبنی ہو سنیئے! یہ تو آپ لوگ مانتے ہیں کہ اس اجماع کے ارکان مقلد ہی مقلد ہیں۔ مجتہد تو آجکل کوئی ہے ہی نہیں۔ پھر ایسے اجماع کی جس میں ایک دو مقلد ہوں کیا حقیقت ہے۔ کجا یہ کہ سارے کے سارے ہی مقلد جمع ہوں۔ پس سنیئے! اصول فقہ کی مستند کتاب مسلم الثبوت میں ہے کہ:۔ اجماع میں نہ کافر کی شمولیت کا اعتبار ہے نہ مقلد کی شمولیت کا اکثر کے نزدیک"

لاعبرة بالکافر ولا بالمقلد علی الاکثر (مطبوعہ ایضاً ص۲۱۶)

نتیجہ یہ کہ علماء اصول کے نزدیک تقلید چونکہ درجہ جہالت ہے (مستصفی للغزالی جلد۲ صـ۳۸۷ اعلام الموقعین للحافظ ابن القیم جلد۲ صـ۲۱۹) اسلئے مقلدین چاہے اپنے آپکو زمرۂ علماء میں گنیں، اجماع جیسے بلند پایہ مسئلہ میں اُنکا کوئی شمار نہیں ہوسکتا۔ پھر اجماع کیسا اور کہاں؟

اسکی مثال بغرض توضیح مناسب ہے، کہ ہم اس مسئلہ کو مثال کی صورت میں پیش کریں۔

آجکل ہندوستان بلکہ کل دنیا میں ہر حکومت نے کونسلیں اور کمیٹیاں مقرر رکھی ہیں۔ اون کونسلوں میں جو ممبر مقرر ہوتے ہیں اونہی کی رائے سے جو امر طے ہو، وہ فیصلہ یا قانون بنتا ہے۔ اور اگر کسی وقت ایسا ہو کہ اون ممبروں کے نوکر بھی کرسیاں خالی دیکھکر اون پر بیٹھ جائیں یا کبھی ایسا ہو کہ ممبروں میں سے کوئی بھی نہ ہو۔ اور نوکر ہی نوکر جمع ہوکر ایک بات کو طے کردیں تو وہ بات اون کے فیصلے سے قانون نہ بنیگی۔ چونکہ مقلدین اپنے امام کے ساتھ ایک تابع (نوکر) کی نسبت رکھتے ہیں۔ اسی لئے ان کا اتفاق یا اتفاق میں شریک ہوکر رائے دینا بجائے ناارزد۔

نوٹ جسطرح ہماری تقریر علم اصول اور معقول پر مبنی ہے جواب بھی ان علوم پر مبنی ہوگا۔ تو ہم اوس سے مستفیض ہونے کی کوشش کرینگے۔ اور اگر ان علوم کے بغیر جواب ہوئا تو بقول سعدی مرحوم خاموشی پر عمل ہوگا۔

نہ پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے !
ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

تمت

بالخیر

ف۵ لیس ذلک (التقلید) طریق الی العلم ۱۲ منہ

مکتبہ ثنائی امرتسر کی مشہور و معروف فروختنی کتب

اجتہاد و تقلید اس کتاب میں اجتہاد و تقلید پر عالمانہ بحث کیگئی ہے۔ قیمت ۸؍

القرآن العظیم قرآن مجید کے الہامی ہونیکا ثبوت ۲؍

الہام الہام کی تشریح اور آریوں کی تردید قیمت ۲؍

دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن
مولوی عبداللہ چکڑالوی اہلقرآن کے رسالہ متعلقہ نماز کا مکمل جواب ۴؍

فتوحات اہلحدیث چیفکورٹ پنجاب ہائیکورٹ بنگال اور انگلستان میں جو فیصلے اہلحدیث کی تائید میں ہوئے انکا مجموعہ ۸؍

حق پرکاش ستیارتھ پرکاش متعلقہ اسلام کا مکمل جواب، آریوں کی تردید قیمت ۱۰؍

تبر اسلام مہاشہ دہرمپال کے رسالہ نخل اسلام کا مکمل جواب قابل دید قیمت ۱۱؍

جہاد وید وید اور دیگر آرین کتابوں سے جہاد کا ثبوت ۲؍

خصائل النبی شمائل ترمذی کا بامحاورہ ترجمہ اردو زبان میں بچوں کے لئے مفید ۲؍

ادب العرب صرف و نحو عربی کو ایسی آسان طرز سے لکھدیا ہے کہ اردو خوان بھی بلا مددِ استاد مطلب سمجھ لے اور کامیاب ہوسکے۔ نامی گرامی علماء نے پسند فرمایا ہے ۱۲؍

توحید تثلیث اور راہِ نجات اس رسالہ میں ان تینوں مضامین پر مفصل بحث ہے ۴؍

بحث تناسخ تناسخ اور مادہ کا ابطال۔ آریوں کی تردید قیمت ۶؍

مناظرہ نگینہ مشہور و معروف مناظرہ جو بمقام نگینہ آریوں سے ہوا تھا۔ ۱۲؍

اہلحدیث کا مذہب فرقہ اہلحدیث یعنی موحدین کے مسلمہ مسائل کا بیان قیمت ۸ر

السلام علیکم اسلامی سلام کے احکام قیمت ۲ر

میل وملاپ اتفاق کا سبق دینے والا رسالہ قیمت ۵ر

اسلامی تاریخ آنحضرت صلعم کی زندگی کے حالات مبارکہ بچوں کے لئے مفید ۲ر

ہدائت الزوجین نکاح وطلاق کے مسائل بیوی خاوند کے حقوق کا بیان ۲ر

حدوث وید قدامت وید کا ابطال وید سے آریوں کی تردید ہیں۔ ۲ر

الہامات مرزا مرزا قادیانی کے الہامات کی مفصل تردید معہ جواب آئینہ حق نما ۱۲ر

فاتح قادیاں مرزا قادیانی کی فیصلہ کن دعا بحق ابوالوفاء پرلدہانوی مباحثہ جسپر بفیصلہ ثالث تین سو روپیہ اسلامی مناظر کو انعام ملا۔ ۶ر

نکاح مرزا مرزا قادیانی کے الہامی نکاح والی پیشگوئی کی تردید ۲ر

تاریخ مرزا مرزا قادیانی کی زندگی کے حالات از ابتدا تا انتہا۔ ۸ر

مرقع قادیانی مرزا قادیانی کے خیالات و مقالات متفرقہ کا عجیب غریب جواب ۶ر

شہادۃ القرآن حصہ اول ودوم جسمیں مرزا قادیانی کے خیال وفات مسیح کی تردید نہایت عالمانہ طریق پر دیا گیا ہے۔ مصنفہ مولنا ابراہیم سیالکوٹی۔ قیمت ہر دو حصہ عہ ر

الخبر الصحیح عن قبر المسیح یعنی مرزا قادیانی کے خیال متعلقہ قبر مسیح کی تردید از مولنا ابراہیم سیالکوٹی ۲ر

حیات طیبہ یعنی مولانا اسمعیل شہید دہلوی رضی اللہ عنہ کی مکمل ومفصل سوانحعمری ہر مخالف وموافق کیلئے قابل دید وشنید ہے

نور العینین یعنی شیخ حسین محدث بھوپالی یمنی کے فتاوی عربیہ کی جلد اول۔ طلباء اور علماء کیلئے معلومات کا ذخیرہ قیمت عا ر

الفوز العظیم قرآن کریم کی موں کی حکمت ۴ر

تمام کتابیں اس پتہ سے طلب فرمائیں:- **مینیجر دفتر اہل حدیث امرتسر**

٨١١٦
٠١١٦
١١١٨